

قسط نمبر: 13

وقت

حسام

موت کے کنویں میں بھی وقت جس کا ہم رکاب

تھا۔ ایک ایسے پر عزم بازی کی پوری ماری

سنسنی خیز واقعات پر مشتمل ایک

در باطلوں داستان

PakDigestNovels

www.com

Free PDF Books
& Novels
Online Library

PakDigestNovels.Com

PakDigestNovels.Com

PakDigestNovels.Com کو پسند کرنے کے لئے آپ

سب کا بہت بہت شکریہ! ہماری ویب سائٹ کا مقصد علم و ادب کی ترقی و ترویج ہے۔ جیسا کہ آپ سب لوگ جانتے ہیں کہ کتابیں پڑھنے کا شوق دن بدن کم سے کم تر ہوتا جا رہا ہے۔ اس امر کی کئی وجوہات ہیں لیکن سب سے بنیادی وجہ کتابوں کی بڑھتی ہوئی قیمتیں ہیں۔ ہمارا اولین مقصد عوام الناس کو اعلیٰ کتابیں اور وہ بھی مفت فراہم کرنا ہے۔ امید ہے آپ سب ہمارے اس عظیم مقصد کی تائید کرتے ہیں۔

کتابوں کی قیمتوں کی وجہ سے اگر آپ کو خریدنے کے بعد کتاب پسند نہیں آتی تو آپ کا اس سے مالی نقصان بھی ہو گا ہمارا مقصد یہی ہے کہ اگر آپ کو ہماری ویب سائٹ سے کوئی کتاب پسند آتی ہے تو اسٹر کو اس کا حق ضرور دیں اور کتاب خرید کر اپنی لائبریری کی زینت بنائیں۔

ہم **PakDigestNovels.Com** آپ کو نیٹ کی وسیع دنیا سے ہر قسم کی کتابیں فراہم کرتے

ہیں۔ ہم بلا معاوضہ آپ کی اور علم و ادب کی یہ خدمت سرانجام دے رہے ہیں۔

اس کے جواب میں ہم آپ سے درج ذیل باتوں کی توقع کرتے ہیں۔

۱۔ برائے مہربانی **PakDigestNovels.Com** کا نام اچھی طرح ذہن نشین

کر لیں۔ تاکہ اگر کسی وجہ سے سائٹ گوگل میں نہ بھی ملے تو با آسانی ہماری سائٹ تک پہنچ سکیں۔

۲۔ اگر کوئی کتاب پسند آئے تو اسے Share ضرور کریں تاکہ اور دوست احباب بھی اس سے

مستفید ہو سکیں۔

قت بادشاہ اور کائنات کی پرشہ اس کی رعایا ہے لیکن ... اس کی نہ کوئی شکل اور نہ ہی وجود ہے۔ اس کے باوجود یہی وقت روپ بدل بدل کر سامنے آن کوڑا ہوتا ہے۔ جس کی گردش انسان کی زندگی میں بہت اہم کردار ادا کرتی ہے۔ یہ ایک ہی پل میں کسی کو بادشاہت سے نوازتا ہے اور کسی کو زمین کی خاک چاٹنے پر مجبور کر دیتا ہے۔ کبھی دن اور رات میں ڈھل کر عسرواں کا نام پاتا ہے اور موسم کی طرح گزر جاتا ہے۔ کبھی مہربان اور مخلص دوست بن جاتا ہے اور کبھی سفاک دشمن کا کردار ادا کرتا ہے۔ کبھی محبت بن کر ہونٹوں پر پشیمانی بکھیرتا ہے اور کبھی درد کی صورت آنسوؤں کے دلوں میں گھانٹو ڈال دیتا ہے۔ چونکہ یہ کسی کا غلام نہیں اسی لیے کسی کی پروا بھی نہیں کرتا لیکن ... اتنا سنگدل ہے جو اس کی پروا نہیں کرتا اسے ایسی مار مارتا ہے کہ پینے کو دو ہونڈ پانی تک نہیں ملتا اور اتنا ہی ایمان بھی ہے کہ جس پر اپنی مرضی سے مہربان ہو جائے اس کے لڑکھڑاتے قدموں سے بھی قدم ملا کر عروج عطا کرتا ہے مگر شہرارت سے پلٹ کر ان کی طرف بھی دیکھتا ہے جنہیں وہ بیچ بھنور میں تنہا چھوڑ آتا ہے۔ وہ بھی ایک ایسے ہی مہربان نہ ہے کہ اس پر تھکا ... جسے یہ تک خبر نہ تھی کہ وہ کون ہے اور کس خاندان سے وابستہ ہے۔ جس کی اپنی کوئی شناخت نہ تھی اس کے باوجود اس کی داستان حیات میں چاہے والوں کی کمی نہ تھی۔ دو مختلف معاشروں اور تہذیبوں کا حسین امتزاج ... ایک ایسا سلسلہ جو برسوں یاد رہے گا۔

قسط نمبر: 13

وقت

حسام بہت

موت کے کنوئیں میں بھی وقت جس کا ہم رکاب

تھا۔ ایک ایسے پر عزم بازی گر کی بازی گری

سنی خیر واقعات پر مشتمل ایک

در با طویل داستان



وقت

عامر بیگ مذکورہ خاتون کے بارے میں زیادہ معلومات نہیں رکھتے تھے۔ ان کا اندازہ تھا کہ اس خاتون کا علی کے ساتھ کوئی عورتی رشتہ ہے۔ مرزا عامر بیگ نے علی کو چھاپے اشارے سے دیکھ کر ہی جن کے دوسرے علی کا بی بی میں اس خاتون کو تلاش کر سکتا تھا۔ اس صورت حال میں علی کا دل علی الاعلان یہ کہہ رہا تھا کہ وہ عورت اس کی ماں ہے۔ علی نے تباہی کی اور بی بی سے کراہی آ گیا۔ پاکستان کی سرزمین پر قدم رکھتے ہی سے ہنگاموں نے اس کا استقبال کیا۔ وہ اتر پور سے ایک عیسائی پیکر اپنے ہوٹل کی جانب روانہ ہوا تو کبھی ڈرائیور نے اسے دیرانے میں جا کر لوٹنے کی کوشش کی مگر علی نے اسے ناکام بنادیا۔ علی کی ادنیٰ تعظیم نامی نوجوان سے ہوئی۔ عقیم نے اپنے تعلقات استعمال کرتے ہوئے علی کی والدہ کا پتہ لگایا اور انہیں مکر لے آیا۔ علی کی ملاقات اپنی ماں سے ہوئی۔ علی کو اپنی ماں کے حالات جان کر بہت دکھ ہوا اور وہ دشمنوں سے انتقام لینے کے بارے میں سوچنے لگا۔ علی کی ماں کے ہنگامے پر رہنے لگا۔ وہیں اسے اطلاع ملی کہ اگلے علی سلطان کا دل کے دورے کے سبب انتقال ہو گیا ہے۔ علی نے اس کو امریکا کے ساتھ لے جانے کے لیے ورثہ دینا کے حصول کے لیے کوشش شروع کر دی۔ علی کو ایک رات خواب میں ڈیڑھ گھنٹہ نظر آئی۔ اس نے علی کو مگر دیکھ کر وہاں کی والدہ کو لکڑی کر دیا۔ علی نے جیسے کہ وہاں کے قاتلوں کو لکڑی کر دیا تبھی چلا جائے گا۔ علی نے تمام حقیقت بتا کر بھی بتادی۔ وہ علی کی اچھی دوست اور مرزا امین کی بی بی علی کو اس کی رہائش گاہ کے لیے ایک خط ملا جس میں اس کی ماں کے لڑکے کا اعتراف کیا تھا۔ علی نے نادر شاہ کو چیک کرنے کا ارادہ کیا۔ علی نے عقیم کے ساتھ مل کر منصوبہ بنایا کہ نادر شاہ کو اغوا کر کے اس سے بچا لیا جائے۔ عقیم نے کچھ لوگوں کو پیسے دے کر نادر شاہ کو اغوا کرایا۔ تاہم اس میں سے ایک شخص نے عقیم کو کال کر کے بتایا کہ ان کے آدمیوں کو پولیس نے پھیر لیا ہے۔ یہ سن کر وہ ہکا بکا رہ گئے۔

اب آپ مزید واقعات ملاحظہ فرمائیے

اشارہ نہیں تھا تاہم میں شدت سے محسوس کر رہا تھا کہ اس واقعے کے پیچھے بالواسطہ یا بلاواسطہ ڈیڑھ گھنٹہ کا ہاتھ ہے اور..... نادر شاہ کے چھاپ لیے جانے کے بعد اب یہ بنگلہ میرے لیے لفظی غیر محفوظ ہو گیا تھا۔

”یار اتم کس دھیمان کیان میں لگ گئے ہو؟“ عقیم کی آواز میری ساعت سے ٹکرائی۔

میں نے آنکھیں کھول دیں۔ چنانے بڑی گہری نظر سے میرے چہرے کا جائزہ لیا اور چونے گئے ہوئے لہجے میں بولی۔

”کیا ہو علی اتم اتنے سنجیدہ کیوں نظر آ رہے ہو؟“

”صورت حال کے پیش نظر اس قدر تعجب تو لگا نہیں سکتا۔“ عقیم نے کہا۔

”میرا جلدی سے وضاحت کرتے ہوئے بولی۔“ میرا مطلب یہ تھا کہ میں نے پہلے علی کو بھی اتنا الجھا ہوا نہیں دیکھا۔

”بردا تم بھی تو منہ سے کچھ بولو۔“ عقیم نے میری طرف دیکھتے ہوئے کہا۔ ”کیا ہوتا بدھ ہے بیٹھے ہو؟“

”اس وقت رات کے ساڑھے نو بجے ہیں۔“ میں نے دیوار گیر کلاک پر نگاہ ڈالنے کے بعد عقیم سے مخاطب ہوتے ہوئے کہا۔ ”تم ہی انور اپنے گھر روانہ ہو جاؤ اور کم از کم آج کی رات گھر سے باہر نکلنے کی کوشش نہیں کرنا۔

نامعلوم افراد یقیناً قانون کی گرفت میں آچکے ہوں گے۔ تمہارا نام سامنے آسکتا ہے۔“

”میرا رابطہ صرف شاہ کے تھا۔“ وہ غصہ سے ہوئے لہجے میں بولا۔ ”اور وہ منظر سے غائب ہو چکا ہے۔ ابھی تم نے خود آپس پر اس کی بات سنی ہے۔ بانی جو دو نامعلوم افراد نادر شاہ کے ساتھ ہائی روف کے اندر ہیں، میرا ان

پر سوال کا کوئی نہ کوئی جواب ضرور ہوتا ہے لیکن جب معاملہ توجہ کے برعکس آن پڑے تو تھوڑی دیر کے لیے انسان کا دماغ سوچنے بجھنے کے قابل نہیں رہتا اور ان لحاظ میں ہم تینوں بھی کچھ ایسی قسم کی صورت حال سے گزر رہے تھے۔

شاہ کے فون نے ہماری بساط الٹ دی تھی۔ ہم مطمئن تھے کہ تھوڑی دیر کے بعد ”نامعلوم افراد“ نادر شاہ کی زبان کھلوانے میں کامیاب ہو جائیں گے۔ نہ صرف اس

مقدمہ میں انہیں کامیابی حاصل ہوگی بلکہ وہ اس مثالی انٹرویو کی آڈیو بنڈ پر یوٹیوب پر ڈیک بھی کر لیتے جس کی بنیاد پر میں نے

شاہ کی درگت بتا سکتی تھی اور ماں کے سارے مالی معاملات کا انتظام اس سے عقیم کے ہاتھ میں دینا تھا تا کہ وہ

خود یا اپنے کسی قابل اعتماد بندے کے ذریعے ماں کے اس فلاحی مشن کی تکمیل کر سکے لیکن آنا فانا میں چھوٹیں ہماری خواہش کے خلاف ہوئی تھی۔

”مجھے تو یہ کافی سمجھتا تھا کہ عقیم نے

سرکاری ہوئی آواز میں کہا۔ ”چار پولیس موٹار گاڑیاں روف گھر کے میں لینا کوئی معمولی بات نہیں۔“

”تم شیک کہتے ہو عقیم۔“ چنانے نے تعویذیں بھرے لہجے میں کہا۔

میں نے آنکھیں بند کر کے اپنی تمام تر توجہ دل پر مرکوز کر دی۔ چند لمحات کے لیے میں اپنے ارد گرد کے ماحول سے غافل ہو گیا تھا بلکہ یہ کہنا زیادہ مناسب ہوگا کہ میں دنیا

دماغیہا سے بے خبر ہو گیا تھا۔ میرے اس عمل میں کسی سوچ کا دخل نہیں تھا۔ درحقیقت یہ میرا ایک غیر ارادی فعل تھا۔ دل پر

ارکا ز توجہ سے مجھے بہت طاقتور احساس ہوا۔ کوئی واضح

گذشتہ اقساما کا

اس کا نام اسد علی رکھا گیا ہے۔ ”علی“ کے نام سے جانا جاتا تھا۔ علی اپنے والدین کے بارے میں کچھ نہیں جانتا تھا۔ جب اس نے ہوش سنبھالا تو خود کو علی سلطان کی گنجائش میں پایا۔ علی سلطان ٹیکس (امریکا) کا ایک مستحکم کاروباری شخص تھا۔ ایک حادثے نے علی سلطان کو مکمل پشیمک محدود کر دیا تھا۔ اس کی اپنی بیوی ریٹائرمنٹ لینے سے ٹھیک ہی ہو چکی تھی۔ وقت و صحت ریٹائرمنٹ لینا کوئی نیا نیا کام نہیں تھا۔ علی سلطان نے اپنی اپنی کی دیکھ دیکھ کے لیے ایک کل وقتی ملازمہ مقرر کی ہوئی تھی اور انہیں سے جو ان تک علی کی تعلیم و تربیت کے تمام تر اخراجات اٹھاتے تھے۔ وہ علی کے ساتھ اپنی اولاد ایسا برتا کر رہا تھا جو اسے اکل جاتا تھا۔ اپنے والدین کے حوالے سے علی کے ذہن میں بیوروں سوالات اس کے ساتھ ہی چلی بڑھ کر جان ہوئے تھے۔ اس نے جب بھی اپنے من میں مرنے کی فکر سے کچھ بچنے کی کوشش کی تو اس پر وہاں کے نہایت ہی خوب صورتی سے اسے سال دیا تھا۔ یہ تعلیمی علی کے نفس کو ہوا دیتی تھی لہذا نتیجے کے طور پر اس کا ذہن بے سستہ سوچوں کے جالے میں الجھ کر رہ جاتا تھا مگر اس اضطرابی کیفیت میں بھی اس نے زندگی کے سفر کی روانی میں کوئی رکاوٹ نہیں آنے دی تھی۔ کالج میں قدم رکھتے ہی اس نے ٹیکس کے علاقے ”ہٹھلین“ میں واقع ”سرکل اسے“ نامی ایک اسٹور پر بڑا وقتی ملازمت کر لی تھی۔ تین سال کی عمر میں جب علی نے سائیکلو می میں بیچنا شروع کر لی حاصل کر لی تو تین دنے بنگا سے اس کے خاتم میں لگ گئے۔ ایک روز وہ سائیکلو می لڑکے کو بچنے کی نیت سے ”سرکل اسے“ میں آئے۔ تمام تین دنوں کے بعد وہ ڈیکٹ علی کے ساتھ موجود سائیکلو می پر نظر کوکھٹ کر گئے۔ پولیس نے ایک کی بنیاد پر علی کو بھی شامل تفتیش کر لیا۔ علی کا دس صاف تھا۔ پولیس کے سوالات کے جواب میں اس نے انہیں مطمئن کر دیا۔ بعد ازاں ان دونوں سائیکلو می ڈیکٹ کوئی کس (ایری ڈوٹ) سے گرفتار کر لیا گیا۔ علی کا کالج ایک چیکس (ٹیکس) میں تھا جب علی سلطان کی رہائش ہے علی (ٹیکس) میں تھی۔ علی ایک ہوٹل میں رہتا تھا اور ایک چیکس کے اکثر رہنموس میں اس کا آنا جانا کر رہتا تھا۔ ”وٹی لاؤ“ نامی ایک رہنموس میں اس کا زیادہ وقت لگتا تھا کیونکہ وہاں ایک ہسپتالی وہ میزوار اپنے کالج کا مظاہرہ کرتی تھی۔ اس دن انہیں سمجھیں نے علی کے دردل پر دھک دی تو اس کی زندگی میں بھرا اتر آئی۔ ایک رات وہ وٹی لاؤ میں جب لیوٹاؤ نامی ایک سائیکلو می فٹل سے اور اس کے حرازیوں نے شاد سے بدتمیزی کی کوشش کی تو علی نے کچھ میں کود پڑا۔ اس مارا مارا کو ایک ایمریکہ اور کبیرا ایمریکہ نے ڈیڑھ گھنٹے سے دیکھا اور اپنا ڈیڑھ گھنٹہ کا رول کوکھٹ کر کے لپکتے ہوئے وہاں سے رخصت ہو گئی۔ ”مجھے بہادر لوگ بہت پسند ہیں۔“ زندگی میں جب میری میری ضرورت محسوس کر تو رہا لکڑی کر لیا۔ ”اس واقعے کے بعد کوئی لیوٹاؤ نے علی کی دوشی کا پتہ آقا دھوکا ہو گیا تھا۔ آئے دن اسے وہاں میں علی اور لیوٹاؤ کے فٹلوں میں لگا رہا ہے۔ کچھ عرصہ بعد وہاں رہی۔ لیوٹاؤ نے اپنی جہیز کا بدلہ لینے کے لیے شاد کو بڑے رکت کر کے کھانسی پھانسی کر دیا۔ وٹی لاؤ نے شاد کو بڑے رکت کر کے شاد کی رہنموس رات والی جانب چھڑا کر اسے اگلے سلطان کی خدمت کے لیے گھر میں رکھ لیا تھا۔ ایک روز جب شاد اسٹیشن اسٹور سے گھر میں فریڈ نے علی کو لیوٹاؤ نے اسے اغوا کر لیا۔ علی نے شاد کی تلاش میں ہت نہ ہاری اور شاد کو ڈھونڈنا باہر آ کر ایک رات لیوٹاؤ کا ایک ترقی سماجی فیملیوں کے ہتھے چڑھ گیا۔ دونوں کے کچھ خوش معرک ہو کر پھلو، شاد اور لیوٹاؤ کے حوالے سے زبان کھولنے کو تیار نہیں ہوا۔ علی نے پیش کے عالم میں مار مار کر پھلو کو ادھوا کر دیا۔ آئندہ وہ پھلو سے کھل کی خبر لیک چیکس اور اس کے قریب دھوا میں گردش کر رہی تھی۔ پولیس قاتل کی تلاش میں تھی۔ ایک چیکس میں مزید قیام خطرناک ثابت ہو سکتا تھا لہذا علی نے اگلے سلطان کو صورت حال سے آگاہ کیا اور اپنی سرخ ہڈ اٹھائے اسپورٹس کار میں ایک چیکس سے پولس پہنچ گیا۔ پھر سرخ ہڈ اٹھائے اسپورٹس میں قاتل کے فرار ہونے کی خبر نے علی کے ہوش اڑا دیے۔ اس سنگین صورت حال میں علی نے ڈیڑھ گھنٹے سے مدد لینے کا فیصلہ کیا۔ رابطہ ہونے پر ڈیڑھ گھنٹے میں علی کی کھانسی کے بعد کہا کہ اگر وہ بہتر کھیلے تب باہر کی دینا سے کٹ کر اس کے ساتھ ہنگامے میں آ رہے ہوں اسے تمام مسائل سے نجات دلاؤ گے۔ راضی ہونے پر ان بہتر کھیلوں میں ہر مل علی پر جرحوں کا ایک نیا دور ہوتا رہا۔ ڈیڑھ گھنٹہ بہت اونچے کچھ کی مالک ایک پر اسرار ایلی تھی۔ اس نے اپنا اثر و رسوخ استعمال کر کے علی کو پھلو مرزا کیس سے اس طرح نکال لیا جیسے محسن سے ہال۔ ملازما وہاں ڈیڑھ گھنٹے سے محسوس کی مدد علی کو بتایا کہ لیوٹاؤ نے شاد کو اغوا کر کے کیوبا کے شہر ہونائے کیا ہے جہاں وہ شاد کو کھسک فرار کی کے جنم میں جو کچھ اس کا ارادہ رکھتا ہے۔ ڈیڑھ گھنٹے میں علی کو کچھ دنایا کہ اگر وہ بہتر کھیلے پھر سے ہونے کے بعد اس کی ایک خواہش پوری کر دے تو وہ شاد کو کچھ سلامت واپس آئے گی۔ شاد کے حصول کی خاطر علی ڈیڑھ گھنٹے کی بات مانتے کے لیے تیار ہو گیا۔ پریشنر ہال والے اس ہنگامے میں ڈیڑھ گھنٹے کی سنگت میں گزرتے والے وہ علم ہوش رہا بہتر کھیلے بڑے محسن، عقیم، مروان، پرو اور ناقل عقیم تھے۔ ڈیڑھ گھنٹے کی شخصیت کیسے سے کٹ گئی۔ اس پر ستر اور ڈیڑھ گھنٹے اسے اپنی اہلیں دو پر اسرار شخصیات رہی آ کر تک باروش لاؤ اور عیاجیل ہام سے علی کی ملاقات بھی کروادی۔ علی جب پر آشفتہ ہوا کہ وہ تمام افراد میڈیوں کی ایک بیکٹ اور بہت طاقتور سوسائٹی ”اسکل اینڈ ہونڈ“ سے متعلق رکھتے تھے جو لوگوں کی قسمت کا فیصلہ کرنے میں آؤ تھے۔ یہ لوگ خود کو ختمی خدا سمجھتے تھے۔ انہیں علی کے ہم عمر ایک ایسے نوجوان کی تلاش تھی جس کی ماں مسلمان اور باپ عیسائی تھا۔ انہیں شک تھا کہ علی وہی نوجوان ہے جس کے والدین اسے علی سلطان کے حوالے کر کے گھنوں روپوش ہو گئے تھے۔ ڈیڑھ گھنٹے کی تلاش میں علی کی شراکت پر صاف کرتے ہوئے ”اسکل اینڈ ہونڈ“ کی رکنیت حاصل کرنے پر آمادگی ظاہر کر دے لیکن علی نے ڈیڑھ گھنٹے کی خواہش کو گھرا دیا اور ڈیڑھ گھنٹے سے علی اپنے اگلے کے پاس آ گیا۔ یہاں حالات کی ایک ہی بیکٹ اس کی راہ دیکھ رہی تھی۔ اگلے دن نہایت ہی مختصر گھر چائے اخلاط میں علی کو اس کی زندگی کے دیرینہ اور سرپرستار سے آگاہ کر دیا۔ علی سلطان کے مطابق انہیں سال پہلے، ایک برس کی عمر میں علی کو کراچی (پاکستان) سے نیویارک (امریکا) مرزا عامر بیگ کے پاس بھیجا گیا تھا۔ مرزا عامر بیگ، علی سلطان کا دوست تھا۔ اس نے کوئی سلطان کے حوالے کر دیا تھا۔ علی سلطان نے ایک گارجن کی حیثیت سے انہیں برسر تک علی کی پرورش کی تھی۔ اس لیے میں ہونے والے تمام تر اخراجات اٹھاتا تھا۔ علی کو ایک عظیم گھنٹے خاتون پر رات کر رہی تھی کہ کچھ عرصہ پہلے چاند سے آچا کھانسی سے تھم آئے تھے۔ وہی کسی جس سے مرزا عامر نے بیک تہیہ لگایا کہ وہ خاتون کی مصیبت میں گرفتار ہو گئی ہے چنانچہ یہ فیصلہ کیا گیا کہ علی کو کوئی انور کراچی روانہ ہو جانا چاہیے۔ علی سلطان اور مرزا

سے کبھی کوئی تعلق واسطہ نہیں رہا۔ وہ مجھے اور میں انہیں بالکل نہیں جانتے۔

”لیکن وہ دونوں شاگرد اور اس کے ساتھی میوٹر سائیکل سوار کو لازمی جانتے ہیں۔“ میں نے گہری سنجیدگی سے کہا۔

”اسی طرح شاگرد اور اس کا ساتھی، ہائی روف میں موجود اپنے دونوں ہم پیشہ افراد سے گہری واقفیت رکھتے ہیں۔ یہ چاروں نامعلوم افراد ایک ہی مصیبتی کے چنے بنے ہیں۔ جب پولیس ہائی روف والے دونوں اغوا کنندگان سے گفتگو کرے گی تو وہ اپنے باقی دو ساتھیوں کے حوالے سے زبان کھول دیں گے اور پھر پولیس کو شاکر تک رسائی حاصل کرنے میں دیر نہیں لگے گی۔“

”علی بالکل شیک کہہ رہا ہے عظیم۔“ پینا نے معتدل انداز میں کہا۔ ”تمہیں بہت زیادہ احتیاط سے کام لینا چاہیے۔ اگر شاگرد پولیس کے ہتھے چڑھ گیا تو پھر تمہارا نام بھی سامنے آئے گا۔“

”آپ دونوں کا فوس نامعلوم افراد پر ہے اور میں کسی اور زاویے سے بھی سوچ رہا ہوں۔“ عظیم نے کیے بعد دیگرے ہماری جانب دیکھتے ہوئے کہا۔

”پینا نے پوچھا۔ ”کس زاویے سے؟“

”جب دو نامعلوم افراد پولیس کی تحویل میں جائیں گے تو ان کے ساتھ ہی نادر شاہ بھی ہوگا۔“ عظیم نے وضاحت کرتے ہوئے کہا۔ ”اس کیس میں شاہ جی کی حیثیت ایک مخفی کی ہے۔ پولیس جب اس سے پوچھتا چھ کرے گی تو علی کا نام بھی لازماً سامنے آئے گا اور پینا! اس نے انگلی سے پینا کی طرف اشارہ کرتے ہوئے اضافہ کیا۔

”تمہارا انداز کہہ بھی ہوگا۔“

”اور..... خان باؤس والا جنید خان بھی تو زیر بحث آئے گا۔“ پینا نے ایک اہم پہلو کی سمت توجہ دلائے ہوئے کہا۔ ”نادر شاہ، علی، عظیم اور پینا کے پاس سے اٹھ کر جنید خان وغیرہ کے پاس جا رہا تھا کہ راستے میں نامعلوم افراد نے اسے اغوا کر لیا۔ نامعلوم افراد کے ساتھ ہی ان دونوں بھگلوں کے کیبن بھی زیر تفتیش آسکتے ہیں۔“

”یہ سارے نکات میرے ذہن میں موجود ہیں۔“ میں نے عظیم کی طرف دیکھتے ہوئے کہا۔ ”اسی لیے میں نے تمہیں احتیاطی تدبیر کی ہدایت کی ہے اور اگر مناسب سمجھو تو اپنے کزن ارباب کو احاطہ میں کر صورت حال سے آگاہ کر دو۔ وہ پولیس والا ہے، کوئی مفید مشورہ ہی دے گا۔“

”اور تم.....“ اس نے سوالیہ نظر سے میری طرف

دیکھا۔ ”تم کیا کرو گے۔ تمہارے لیے بھی تو یہاں خطرہ ہے!“

”میں اور پینا بھی بنگالی بنیادوں پر یہ بنگالہ چھوڑ رہے ہیں۔“ میں نے ٹھوس لہجے میں کہا۔ ”آگے کیا کرنا ہے، اس کے بارے میں بعد میں لائحہ عمل تیار کیا جائے گا۔“

میری بات عظیم کی سمجھ میں آئی اور وہ ایک جھٹکے سے اٹھ کر کھڑا ہوا۔ ”اوکے! بروا میں جا رہا ہوں۔“ اس نے اثبات میں گردن ہلاتے ہوئے کہا۔ ”اپنا بہت خیال رکھنا اور مجھ سے رابطہ میں رہنا۔“

”تم بھی اپنا خیال رکھنا۔“ میں نے کہا۔ ”اور جہاں تک رابطے میں رہنے کی بات ہے تو ایک سخت ذہن نشین کر لو کہ جب تک میں خود تم سے کاٹلیکٹ نہ کروں، تم مجھے کال نہیں کرو گے۔ اگر میرا فون تمہیں آف لے تو پریشان نہیں ہونا، میں جب مناسب سمجھوں گا تم سے رابطہ کر لوں گا۔ تم میری بات سمجھ رہے ہو نا۔“

”سمجھ رہا ہوں۔“ وہ سر کواٹھاتی جنبش دیتے ہوئے بولا، پھر پوچھا۔ ”کیا تمہارے لیے حالات اتنے ہی سنگین ہو چکے ہیں؟“

”میں نے ہاں“ کہنے پر اکتفا کیا۔

”تمہیں یہ سب کیسے احساس ہوا؟“ وہ حیرت بھری نظر سے مجھے دیکھتے ہوئے بولا۔

”میرے انٹینشن نے مجھے بتایا ہے۔“ میں نے کہا۔

”اچھا..... وہ تھوڑی دیر پہلے تم جو مراقبہ کر رہے تھے؟“ اس کی حیرت دو چند ہوئی۔

”میں نے جواب دیا۔ ”میں سمجھ لو۔“

”انٹینشن، وجدان، دھمکنیاں اور الہام.....“ وہ ابھمن زدہ لہجے میں بولا۔ ”ایک آئی ٹی (الہامی بابا) مقبول کیا کہ تمہارا جواب تم نے بھی سبھی کام شروع کر دیا ہے؟“

”عظیم! میں کوئی الہامی بابا دانا نہیں ہوں۔“ میں نے گہری سنجیدگی سے کہا۔ ”میں نے اپنے محسوسات تم تک پہنچائے ہیں اور مجھے یقین ہے کہ یہ غلط نہیں ہیں۔ تم صورت حال کی نزاکت کو سمجھنے کی کوشش کرو۔ یہ کوئی سیدھا سادہ معاملہ نہیں ہے۔ اگلے چند گھنٹوں میں کچھ بھی ہو سکتا ہے۔ کچھ بھی!“

”یار، ڈراؤ تو نہیں.....“ وہ عجیب سے لہجے میں بولا۔

”بھٹ نہیں کرو یار۔“ میں نے بیزاری سے کہا۔

”اگر میں ڈرا رہا ہوں تو ڈر جاؤ اور اپنی حفاظت پر توجہ دینے کی کوشش کرو۔ میں جب مناسب سمجھوں گا تو خود تم سے رابطہ کر دوں گا۔ اگر کوئی بہت ہی ضروری بات ہو تو تم ٹیکسٹ

کرو پینا..... اوکے؟“

”اوکے!“ اس نے حذب انداز میں جواب دیا۔

میں بخوبی سمجھ رہا تھا کہ میری باتیں عظیم کو مقصود نہیں ہو پا رہیں لیکن میں اسے سردست کچھ بھی نہیں بتا سکتا تھا۔ اور دیکھ لیسے بھی..... میں خود بھی واضح طور پر کچھ نہیں جانتا تھا۔ جی ایم سر کی ہدایت کے مطابق میں نے اپنے دل پر توجہ مرکوز کر کے پیش آمدہ حالات کو محسوس کرنے کی کوشش کی تھی اور بڑی اسٹراٹجک فینک ایک آئی ٹی کی کچھ بہت ہی بنیاد تک ہونے جا رہا ہے جس کا تعلق کسی نہ کسی حوالے سے ڈیٹا بنیاد سے جڑا ہوا ہے۔

عظیم ہٹکے سے رخصت ہوا تو پینا نے تشویش ناک انداز میں دریا یافت کیا۔ ”علی! میں تمہارے ذرائع پر پی الحال کوئی سوال نہیں کروں گی لیکن کیا واقعی اس ایٹو کے ہماری زندگی پر برے اثرات پڑنے والے ہیں؟“

”اگر ہم نے ہوشیاری نہیں دکھائی تو کچھ بھی ہو سکتا ہے۔“ میں نے اپنے بیڈروم کی جانب قدم بڑھاتے ہوئے کہا۔ ”ہماری ذرا سی کوتاہی کوئی بڑی مصیبت کھڑی کر سکتی ہے۔ ہمیں جلد از جلد یہاں سے نکل جانا چاہیے۔“

”اوکے.....“ وہ تائیدی انداز میں بولی۔

”تمہارے ذہن میں کیا منصوبہ ہے؟“

”اپنی انتہائی ضروری چند چیزیں ساتھ رکھ لو اور گاڑی میں بیٹھ کر ہٹکے سے باہر نکلو۔“ میں نے بھی آ رہا ہوں۔ پھر ہم یہاں سے روانہ ہو جائیں گے۔ باقی باتیں بعد میں ہوں گی۔“

”ہم کہاں جا رہے ہیں؟“ اس نے پوچھا۔

”ابھی اس بارے میں کچھ نہیں کہا جاسکتا۔“ میں نے سرسری لہجے میں جواب دیا۔

”شیک ہے، میں جارہی ہوں گاڑی کی طرف۔“ وہ بولی۔

”ہم تمہاری سرنگٹلکس میں جائیں گے۔“ میں نے کہا۔

”اوکے!“ وہ اپنے بیڈروم کی طرف بڑھتے ہوئے بولی۔

میں نے کہا۔ ”جب تم گیٹ پر پہنچو تو جیڈ کو میرے پاس بھیج دینا۔ اسے کچھ ضروری ہدایات دینا ہیں۔“ لگائی توقف کر کے میں نے ایک گہری سانس خارج کی پھر اضافہ کرتے ہوئے کہا۔

”اگر مجھے ہٹکے سے نکلنے میں تھوڑی دیر ہو جائے تو تم گاڑی میں باہر میرا انتظار کرنا اور پریشان نہیں ہونا۔ میں اہم معاملات سے نمٹ کر آ رہا ہوں۔“

اس نے اثبات میں گردن ہلائی اور اپنے بیڈروم میں

داخل ہو گئی۔ میں ماں والے بیڈروم کی جانب بڑھ گیا۔

میں نے اپنا بیگ تیار کیا۔ لیپ ٹاپ، پاسپورٹ، سارے کرڈی لوٹ اور دیگر چند ضروری چیزیں بھی بیگ میں رکھ لیں۔ میں نے ماں کا پاسپورٹ بھی اٹھالیا تھا۔ میرے تمام کرڈیٹ کارڈز وراثت میں موجود تھے اور میرے کپڑے بیگ میں رکھے تھے۔ یہ وہی بیگ تھا جو میں امریکا سے اپنے ساتھ لے کر آیا تھا۔ اس کے بعد میں نے بیگ اٹھایا، دونوں بیڈرومز کو لاک کیا اور ڈرائنگ روم میں آ گیا۔ جہاں جیڈ میرے انتظار میں کھڑا تھا۔

”سر! آپ نے مجھے یاد کیا؟“ مجھ پر نظر پڑتے ہی اس نے پوچھا۔

”ہاں جیڈ، مجھے تم سے چند انتہائی اہم باتیں کرنا ہیں۔“ میں نے کہا۔ ”تم اپنی میڈم کے پرانے نمک خوار اور وقار دار ہو۔ میڈم اب اس دنیا میں باقی نہیں رہیں۔ تمہیں اپنی وقاداری اور جاں نثاری کا آخری ثبوت دینا ہے۔ اس کے بعد تم ہمیشہ کے لیے آزاد ہو جاؤ گے۔“

”آپ حکم کریں سر، کرنا کیا ہے.....“ وہ بے حد سنجیدہ لہجے میں بولا پھر میرے بیگ کی طرف دیکھتے ہوئے پوچھا۔ ”سر! آپ کہیں جا رہے ہیں؟“

”ہاں!“ میں نے اثبات میں گردن ہلاتے ہوئے کہا۔ ”جیڈ، میرے پاس وقت بہت کم ہے اس لیے زیادہ لمبی بات نہیں کر سکتا۔ میں جو بھی کہوں اسے پوری توجہ سے سنتا ہے اور اس پر عمل بھی کرتا ہے۔ یوں سمجھو کہ یہ تمہاری میڈم کا حکم ہے۔“

”آپ فکر نہ کریں سر۔“ وہ سیدھے ٹھوکتے ہوئے بولا۔

”آپ جیسا کہیں گے، ویسا ہی ہوگا۔ آپ میڈم کے عزیز ہیں۔ آپ کی زبان سے نکلا ہوا ایک ایک لفظ میرے لیے حکم کا درجہ رکھتا ہے اور اس حکم کی تعمیل کرنا میں اپنا فرض سمجھتا ہوں۔ آپ کے ذہن میں جو بھی ہے، مجھ پر عمل افتاد کرتے ہوئے بتائیں۔ میں آپ کو بائیں نہیں کروں گا۔“

وہ جو بھی کہہ رہا تھا دیکھا کہ اس کے بھی دکھا سکتا تھا۔ مجھے اس کی بات کا یقین تھا اور یہ یقین اس لیے تھا کہ میں اس کے پس منظر سے بخوبی آگاہ تھا۔ اس کی پہلی پر ماں کے ان نکات احسانات تھے۔ اس کے گھر کے ایک ایک فرد کا بال بال ماں کی نوازشات کے بوجھ تلے دبا ہوا تھا اور میں نے جیڈ کے خون میں وقاداری کو دھوڑے دیکھا تھا۔ وہ ماں کی خاطر سر دھڑکی بازی لگا سکتا تھا لیکن چونکہ وہ اس راز سے واقف نہیں تھا کہ میں اس کی میڈم کا سگا بیٹا ہوں، وہ مجھے سلی

جاسوسی ڈائجسٹ سیلی کیشنز

ایک ادارہ، چار ماہانہ مطبوعات

دنیا بھر میں

خدمات

اور مصنوعات

کی منوثر تشہیر کے لیے

جاسوسی ڈائجسٹ سسٹمز ڈائجسٹ ماہنامہ پاکستان

ماہنامہ پاکستان کی سب سے زیادہ مقبولیت کے حامل کتاب

جو دنیا بھر کے قاریوں کو اپنی دلچسپی سے پکڑے ہوئے ہے



جس میں ہر ماہ ایک نیا نیا کہانی ہے جس میں ہر مسئلہ کا حل ہے
C-63 فیروز ایسٹینشن ڈیفنس ہاؤسنگ اتھارٹی مین کورنگی روڈ کراچی

نمبر: 35804200، 35802552، (92-21) 35802551، (92-21) ای میل: group@hotmail.com

”میں آپ کی بات کو اچھی طرح سمجھ گیا سر۔“ وہ سر
اشافی جنبش دیتے ہوئے بولا۔ ”آپ بے فکر ہو کر جائیں
میں یہاں کے معاملات کو آپ کی ہدایت کے مطابق خوش
اسلوبی سے سنبھال لوں گا۔“

”مجھے تم سے یہی توقع ہے جشید۔“ میں نے کہا پھر
دونوں بیڈروم کی چابیاں اس کی طرف بڑھاتے ہوئے
اضافہ کیا۔ ”اپنے پاس رکھ لو۔ اگر کسی ہنگامی صورت حال
میں تمہیں یہ گھر سے نکلنے کی ضرورت پیش آئے تو تم ان
چابیوں کو استعمال کر سکتے ہو مگر بار شاہ یا اسی ٹائپ کے کسی
اور عام شخص کو اس وقت تک اندر نہیں گھسنے دینا جب تک میں
اجازت نہ دوں۔“

وہ بولا۔ ”میں آپ کی توقع پر پورا اتروں گا۔“ اس
کے لہجے سے چٹائی عزم جھلکا تھا۔ ”لیکن میرا اندازہ یہ کہتا
ہے کہ آپ اس وقت جدہ نہیں جا رہے۔“
بات کے اختتام پر اس نے تعجبی نظر سے مجھے
دیکھا۔ میں نے صاف کوئی کام ظاہر کرتے ہوئے کہا۔
”تمہارا اندازہ بالکل درست ہے جشید۔“

”آپ جب تک پاکستان میں ہیں، مجھ سے رابطہ تو
رکھیں گے نا۔“ اس نے امید بھری نگاہ سے مجھے دیکھا۔
”ہاں!“ میں نے اثبات میں جواب دیا۔ ”لیکن یہ
رابطہ میری طرف سے ہوگا۔ تم بھی کسی بھی حال میں اور کسی
بھی قیمت پر مجھے فون نہیں کرو گے۔“ ٹھیک ہے؟“
”اچھی طرح سمجھ گیا سر۔“ وہ غصوں انداز میں بولا۔
”میں آپ کو کسی شکایت کا موقع نہیں دوں گا۔“

”شباباش!“ میں نے غریبی نظر سے اسے دیکھا پھر
اضافہ کرتے ہوئے کہا۔ ”اگر تم مجھ کو کوئی نہایت ہی اہم
بات مجھ تک پہنچانا ضروری ہے تو تم مجھے سچ کر دینا۔“
”سر۔۔۔۔۔ مجھے سچ کرنا نہیں آتا۔“ وہ اپنی معذوری
کا اظہار کرتے ہوئے بولا۔

”مس کال تو کر سکتے ہوتا۔۔۔۔۔؟“
”جی سر!“ وہ جلدی سے بولا۔

”بس تو پھر ٹھیک ہے۔“ میں نے مطمئن انداز میں
گردن ہلاتی اور جشید سے رخصتی مصافحہ کرتے ہوئے کہا۔
”اپنا بہت بہت خیال رکھنا۔ جلد ہی ہماری ملاقات ہوگی۔“
”انشاء اللہ۔۔۔۔۔!“ وہ مضبوط لہجے میں بولا۔

☆☆☆

اسٹریٹنگ پر چڑنا کا قبضہ تھا اور میں اس کے پہلو میں
پنجر سیٹ پر بیٹھا ڈنڈا اسکرین کے پار سوک کو گھور رہا تھا۔

صاحبہ کا کوئی قریبی عزیز سمجھتا تھا اس لیے میں نے اپنے
بارے میں اس کے ذہن میں موجود معلومات کی روشنی میں
ہی یوں شروع کیا۔

”جشید! تم جانتے ہو کہ تمہاری میڈم کو ٹارگٹ
کر کے قتل کیا گیا ہے۔ یہ کام جس شخص نے کیا ہے اس
سے ملکی صاحبہ کی پرانی دشمنی تھی۔ اسی بد ذات نے تمہاری
میڈم کے شوہر کو بھی قتل کر دیا تھا اور اب وہ سفاک شخص
میری زندگی کا چراغ گل کرنا چاہتا ہے۔ اس ہتکے پر میری
جان کو شدید نوعیت کا خطرہ لاحق ہے اس لیے میں یہاں سے
جا رہا ہوں۔“

”سر! جشید کے ہوتے ہوئے آپ کو کسی سے خوف
زدہ ہونے کی ضرورت نہیں۔“ اپنے سینے پر ہاتھ رکھ کر وہ
جدہ بات سے مطلوب آواز میں بولا۔ ”آپ نہیں نہ جائیں۔
میں اسی ہتکے پر آپ کی حفاظت کا ذمہ لیتا ہوں۔ کوئی بڑے
سے بڑا طرم خان بھی آپ کا بال بیکا نہیں کر سکتا۔ آپ کی
جانب بری نیت سے اٹھنے والی آنکھ کو میں ہتکے سے لال کر
پیچک دوں گا۔“

”میں جانتا ہوں کہ تم انتہائی ڈسے دار اور بہادر
انسان ہو۔“ میں نے سراہنے والی نظر سے اس کی طرف
دیکھتے ہوئے کہا۔ ”تم اپنی جان پر کیل کر میری حفاظت کرو
گے مگر اس وقت تمہیں اپنا دماغ استعمال نہیں کرنا۔ تمہیں
حرف پر حرف دینی کرنا ہے جو میں کہہ رہا ہوں۔“
”ٹھیک ہے سر۔“ وہ یکدم بے حد سنجیدہ ہو گیا۔
”آپ حکم کریں۔“

”جیسا کہ تم جانتے ہو، میں تمہاری میڈم کا ایک
قریبی رشتے دار ہوں اور جدہ سے یہاں آیا ہوں۔“ میں
نے سمجھانے والے انداز میں کہا۔ ”تمہاری میڈم میرے
ساتھ عمرہ پر جانے والی تھیں لیکن ان کی قسمت میں یہ سب
نہیں تھا اس لیے وہ اپنی زندگی کے آخری سفر پر روانہ
ہو گئیں اور میں۔۔۔۔۔“ کھاتی توقف کر کے میں نے ٹٹولنے والی
نگاہ سے اسے دیکھا پھر جملہ عمل کرتے ہوئے کہا۔

”اور میں جدہ واپس چلا گیا۔“
اس نے چونک کر بے یقینی سے مجھے دیکھا اور بے ساختہ
پوچھا۔ ”سر! کیا آپ اس وقت واقعی جدہ جا رہے ہیں؟“
”نہیں!“ میں نے ٹی میں گردن ہلاتے ہوئے کہا۔ ”یہ
وہ پالیسی بیان ہے جو تم نے سب کو دینا ہے۔ نادر شاہ، عظیم،
گنیز۔۔۔۔۔ اور کوئی بھی تم سے میرے بارے میں سوال کرے، تم
نے اسے یہی بتانا ہے۔ اس کے سوا تم کچھ نہیں جانتے۔“

”تم تو اتنے ذوق سے یہ بات کہہ رہے ہو جیسے اس سے تم نے مشورہ کر کے اپنا منصوبہ تیار کیا ہو۔“ وہ ٹھک زدہ سے مجھے دیکھتے ہوئے بولی۔ ”مجھے پھر تم نے اسے کہا

وہ چند لمحات تک ٹٹولنے والی نگاہ سے مجھے دیکھتی رہی۔ مجھے واضح طور پر محسوس ہوا کہ وہ یہ اعزازہ لگانے کی کوشش کر رہی تھی کہ کیا میں محبت نام کی چیز سے واقعی ناواقف ہوں یا میں اسلامی کی ادکاری کر رہا ہوں۔ میں نہیں جانتا کہ وہ اپنے اس اعزازے میں کہاں تک پہنچی تھی۔ چند لمحات کے بعد اس نے ایک افسردہ سانس خارج کی اور مجھے بتانے لگی۔

”نادیہ، عمران نامی ایک نوجوان سے محبت کرتی تھی۔ عمران ایک تجربہ کار بینکر کا بیٹا تھا جس کا باپ سلمان ایک معروف پرائیویٹ بینک کا پریزیڈنٹ تھا۔ عمران بھی نادیہ میں گہری دلچسپی رکھتا تھا لیکن شادی والا معاملہ کسی نہ کسی وجہ سے رہ جاتا تھا۔ عمران کا باپ اس رشتے کے لیے قطعاً راضی نہیں تھا جبکہ عمران کی والدہ خیم رضامند تھی لیکن گھر کے اندر سلمان کا حکم چلتا تھا۔ نادیہ اور عمران کے بیچ دس سال تک تعلقات کا یہ سلسلہ جاری رہا۔ بالآخر اسی سال فروری میں عمران نے اپنے والد کی خواہش پر کسی اور لڑکی سے شادی کر لی۔“

”بڑی دردناک کہانی ہے۔“ میں نے بس اتنا ہی کہا۔
”اس واقعے کے بعد سے نادیہ ٹوٹ کر رہ گئی۔“ بیٹا نے اپنے بیان کو آگے بڑھاتے ہوئے کہا۔ ”وہ پچھلے تین چار ماہ سے اپنے ٹرانسفر کے لیے کوشش کر رہی تھی۔ اللہ اسے سکون قلب عطا فرمائے۔“

”آمین!“ میں نے غلوں دل سے کہا پھر پوچھا۔ ”میں نے اس روز اپارٹمنٹ کے فرنیچر میں مختلف برانڈ کی شروپ کی بوتلیں رکھی دیکھی تھیں۔ کیا نادیہ رنگ بھی کرتی ہے؟“

میں چند روز پہلے بیٹا کے ساتھ مذکورہ اپارٹمنٹ پر آچکا تھا۔ جب بیٹا نے مجھے پینے کی پیشکش کی تھی اور مجھے بتایا تھا بعد ازاں میں نے یہ سارے شروپ فرنیچر میں رکھے دیکھے تھے۔ اسی لیے میں نے اس وقت بیٹا سے یہ سوال کیا تھا۔

”بالکل بھی نہیں۔“ وہ ٹلی میں گردن ہلاتے ہوئے بولی۔ ”اس معاملے میں وہ چہرہ ہاری طرح زاہد و پارسا ہے۔“

میں نے اس روز بیٹا کی پیشکش کو ٹھکرایا تھا۔ اس کا آخری جملہ ای حوالے سے تھا۔ اس نے کھلے دل سے یہ اعتراف کیا تھا کہ وہ بھی بھاری آدمہ رنگ لے لیا کرتی ہے۔ اس کی زبانی یہ سن کر مجھے حیرت ہوئی تھی کہ نادیہ شراب نوشی نہیں کرتی تھی۔ جب وہ ڈرنک نہیں کرتی تھی تو پھر اس کے فرنیچر میں اس کا یہ ذخیرہ کیا تھی رکھتا تھا۔

جب میں نے یہی سوال بیٹا سے کیا تو اس نے بتایا۔

”آرام ڈی۔“ میں نے زیر لب دہرایا۔ ”یعنی ٹرسٹ منیجمنٹ ڈیپارٹمنٹ۔ واقعی، یہ تو بہت ہی اہم شعبہ ہے۔ یہ ڈیپارٹمنٹ مینیجنگ اور ریسرچ اور نوٹس کی کرپشن کو پکڑنے پر توجہ دیتا ہے لیکن ایک بات میری سمجھ میں نہیں آتی۔“
میں نے انھیں زندہ انداز میں جملہ ادھورا چھوڑا تو اس نے فوراً پوچھ لیا۔ ”کون سی بات؟“

”میری معلومات اور اندازے کے مطابق اسلام آباد کی بہ نسبت کراچی میں بینکنگ کا اسکوپ زیادہ ہے۔“ میں نے جواب دیا۔ ”پھر تمہاری دوست نے کراچی کو خیر باد کہہ کر اسلام آباد کا رخ کیوں کیا ہے؟“

وہ بڑی جاذبِ نظر سے مجھے دیکھتے ہوئے بولی۔
”دل کے معاملات ہیں۔“
”اوہ۔۔۔!“ میں نے ایک گہری سانس خارج کرتے ہوئے کہا۔ ”تو وہاں اسلام آباد میں کہیں ان کا دل اٹکا ہوا ہے؟“

”نہیں!“ وہ ایک ایک لفظ پر زور دیتے ہوئے بولی۔
”وہاں وہ اپنے کھانسل دل کی رفتار کی لیے جا رہی ہیں۔“
”گو جان کا دل کراچی میں نہیں اٹکا ہوا تھا۔“ میں نے معاملے کی تہ میں پہنچتے ہوئے کہا۔ ”مگر دلبر نے دل داری نہیں کی۔ وہ دل برداشتہ ہو کر اسلام آباد جا رہی ہیں؟“
”کسی حد تک یہی بات ہے۔“ وہ تائیدی انداز میں گردن ہلاتے ہوئے بولی۔ ”میں سمجھتی ہوں، یہ یکطرفہ معاملہ تھا۔ نادیہ، عمران کے ساتھ بہت سیر سیر کرتی تھی اور وہ نادیہ کی محبت کو ایک محفل سمجھ کر کھیل رہا اور پھر کسی اور کا ہو گیا۔“

”اوہ۔۔۔ ویری سیڈ۔“ میں نے افسوس ناک انداز میں گردن ہلاتے ہوئے کہا۔ ”اکثر کہانیوں کا انجام ایسا ہی ہوا کرتا ہے۔ خصوصاً ایک طرف محبت والی کہانیوں کا۔“

”اے محبت اتیرے انجام پر دونا آیا۔“ اس نے کسی شعر کا مصرع پڑھا۔

میں نے گاڑی سے باہر دیکھتے ہوئے کہا۔ ”یہ کام بہت سوچ سمجھ کر کرنے کا ہے۔“

”بالکل فلفلا!“ وہ قطعی لہجے میں بولی۔ ”اس کام کا سوچ سمجھ سے کوئی تعلق واسطہ نہیں۔ سوچ سمجھ کر تو کاروبار کیا جاسکتا ہے، محبت نہیں۔“

”ہوسکتا ہے، تم ٹھیک ہی کہہ رہی ہو۔“ میں نے سرسری انداز میں کہا۔ ”مجھے بتاؤ، نادیہ کے ساتھ کیا ٹریجڈی ہوئی ہے؟“

”ابھی میں نے اپنی ایک دوست کو فون کیا تھا۔ ہم اسی کے پاس جا رہے ہیں۔“
”تم لوگوں کی گفتگو سے مجھے اعزازہ ہوا ہے، یہ تمہاری کوئی بہت ہی بے تکلف دوست ہے۔“ میں نے کہا۔
”تمہارا اعزازہ بالکل درست ہے۔“ اس نے اثبات میں جواب دیا۔ ”یوں سمجھ لو کہ ہم اپنے ہی گھر جا رہے ہیں۔“
”اپنے گھر۔۔۔؟“ میں نے سوالیہ نظر سے اس کی طرف دیکھا۔

”ارے یا رام! میں نادیہ کی بات کر رہی ہوں۔“
”نادیہ۔۔۔ تمہاری کرائے دار؟“
”بالکل وہی۔“ اس نے بتایا۔ ”نادیہ اس اپارٹمنٹ پر محض ایک دو دن کی مہمان ہے۔ وہ اتوار کی صبح اسلام آباد روانہ ہو جانے کی مستقل طور پر۔“

”اوہ۔۔۔ اب سمجھا۔“ میں نے ریمان بھرے انداز میں کہا۔ ”جبھی میں کہوں، تم اتنی مطمئن کیوں ہو۔ تم نے نادیہ کو کسی بات کی مبارکباد دی تھی۔ یہ کیا معاملہ ہے؟“
”وہ پچھلے تین چار ماہ سے اپنے تئذ کے کوشش میں لگی ہوئی تھی۔“ بیٹا نے وضاحت کرتے ہوئے کہا۔ ”اسی سلسلے میں وہ پچھلے دنوں اسلام آباد بھی گئی تھی۔ اس کا کام ہو گیا ہے۔ وہ اتوار کی صبح کراچی سے روانہ ہو جائے گی۔ پھر کی صبح اسے ڈیوٹی جوئن کرنا ہے۔ اسلام آباد میں اس کی رہائش کا بندوبست بھی ہو گیا ہے۔ میں نے اس سے اپارٹمنٹ خالی کرنے کی جو بات کی تھی وہ اس طرح پابجھیل تک پہنچ جائے گی۔ یہ میرا ذکر! اپارٹمنٹ ہے لہذا ہمارے لیے اس سے زیادہ محفوظ پناہ گاہ اور کوئی ہو نہیں سکتی۔“
”نادیہ کرنی کیا ہے؟“ میں نے سوال کیا۔

میں بظاہر بیٹا سے بات چیت کا سلسلہ جاری رکھتے ہوئے تھا لیکن میں موجودہ ہنگامی صورت حال سے ایک لمحے کے لیے بھی غافل نہیں ہوا تھا۔ میں نے اپنے طور پر اس سستی خیر چویشن سے ششکے کا جو خاکہ بنایا تھا اس میں رنگ اسی وقت بھرے جاسکتے تھے جب میں کسی ایک مقام پر تک کر بیٹھ جاتا اور بیٹا کا اپارٹمنٹ اس مقصد کے لیے انتہائی موزوں اور مناسب تھا۔

”نادیہ شکر ہے۔“ بیٹا نے جواب دیا۔ ”وہ ایک معروف پرائیویٹ بینک کے نہایت ہی حساس ڈیپارٹمنٹ ”آرام ڈی“ میں اپنے فرائض سرانجام دے رہی تھی۔ اسلام آباد میں بھی وہ اسی شعبے میں تھی۔“

”ہوں۔۔۔ میں ابھی اسی وقت بھی تمہارے پاس آسکتی ہوں لیکن یار، میرے ساتھ ایک پرائیوٹ ہے۔“
”اگر سے بیٹا کی تذکرہ پرائیوٹ کے بارے میں دریافت کیا گیا ہوگا۔ اس نے جواب دیا۔ ”میرے ساتھ کوئی اور بھی ہے۔ اگر آؤں گی تو وہ بھی ہمراہ ہوگا۔ نہیں ہم دونوں کو نو فرڈ کرنا ہوگا۔“

دوسری جانب سے لازمی بے تکلفی سے چٹکی لی گئی ہوگی۔ بیٹا نے جیسے سروں والا ایک توانا قہقہہ لگایا اور بڑی بے باکی سے بولی۔
”میں۔۔۔ ڈیننگ ہی سمجھ لو۔۔۔!“
یہ جملہ ادا کرنے کے بعد بیٹا نے بڑی لگاؤ سے مجھے دیکھا پھر دوسری طرف بولنے والی سے کہا۔ ”اوکے۔ میں آدھے گھنٹے میں تمہارے پاس پہنچ رہی ہوں۔ ہم نے ابھی تک کھانا نہیں کھایا۔ ہمارے لیے کچھ آرڈر کر دو۔“

پھر اختتامی کلمات کے بعد اس نے رابطہ موقوف کر دیا اور قاتحانہ نظر سے مجھے دیکھتے ہوئے بولی۔
”علی! کام بن گیا ہے۔“
”گویا تم نے رات گزارنے کا بندوبست کر لیا ہے۔“ میں نے تصدیق طلب نظر سے اس کی طرف دیکھا۔
وہ بڑے فخر سے بولی۔ ”رات نہیں، راتیں۔۔۔ تم جب تک جا ہو وہاں رہ سکتے ہو۔“
”مگنا!“ میں نے تعریفی نظر سے اس کی طرف دیکھا اور کہا۔ ”وہاں این آر بیجنت!“

”میرے ذہن میں، موجودہ مسئلے کو حل کرنے کے لیے دو آپشنز تھے۔ وہ گاڑی کو داپسی کے راستے پر ڈالتے ہوئے بولی۔ ”دوسرے آپشن کوچ کرنے کی ضرورت ہی محسوس نہیں ہوئی۔ میں نے پہلا آپشن کلک کیا اور ہمارا مقصد حاصل ہو گیا۔“

”کیا میں پوچھ سکتا ہوں کہ ابھی تم نے کس خاتون سے بات کی ہے؟“ میں نے غصہ سے بولنے لہجے میں کہا۔
”اور یہ بھی کہ تمہارے ذہن میں دوسرا آپشن کون سا تھا؟“
”دوسرا آپشن کسی ہوگی میں رات گزارنے کا تھا۔“ اس نے بتایا۔ ”اگرچہ مقامی افراد کو اصولاً ہوگی میں کرا نہیں دیا جاتا لیکن شارع فیصل کے ایک صاف ستھرے ہوگی میں میری لائن ہے۔ میں اگر چاہتی تو وہاں کرا حاصل کرنے میں نیچے وقت بیٹھ نہ آتی لیکن اس کی نوبت ہی نہیں آئی۔“
”لحائی توقف کر کے اس نے ایک گہری سانس خارج کی پھر اپنی بات مکمل کرتے ہوئے بولی۔

دلجوئی کرنا۔ وہ تمہارے پاس ایک دن کی مہمان ہے۔ اسے خوشی خوشی یہاں سے رخصت کرو اور اس کے دل سے

کھڑی ہوگئی اور اضافہ کرتے ہوئے کہا۔ ”علی کب سے انتظار کر رہا ہے۔ میں ذرا آپ لوگوں کو کمراسٹ کر دوں۔“

ہم اور ہمارے دوستوں نے اس وقت تک کھانا کھا کر دیا کہ ہمیں کھانا کھانے کا اور روئے دیا تھا۔ ہم اور ہمارے دوستوں نے

”میں نہیں جانتا، تم اسے پہلے کیا بتا چکی ہو؟“

”یہی کہ میں نے مستقل طور پر جدہ میں سینیٹل ہونے کا

دعا کریں لو۔“

”خٹک ہے، میں ایسا ہی کروں گی۔“ وہ اپنے پرک
میں سے سم کا روڈ نکالنے ہوئے بولی۔ ”میری اس سم میں کسی
کا کوئی کیمیکل نمبر سیو نہیں ہے۔ میں اسے بہت کم استعمال
کرتی ہوں۔ تم اگر اس کی فون بک میں کوئی نمبر فیلڈ کرنا چاہو
تو کر لیتا۔“

میں نے بیٹا سے مذکورہ اسم کارڈ لیا اور بیڈروم کی جانب بڑھ گیا۔ اسی لمحے ناویہ بیڈروم سے نکلی۔ مجھ پر نظر پڑی تو اس نے کہا۔

”میں نے کمراسٹ کر دیا ہے۔ فی وی اور اے سی بھی آن ہے۔ اگر آپ کو فی وی دیکھنا ہو تو اپنی مرضی کا پھسل لگا لیتا۔ میں کافی نہیں جھجھواری ہوں۔“

ہیڈروم میں داخل ہو کر میں نے چار سو ایک طائرانہ نگاہ دوڑائی۔ یہ وہ کرائس تھا جہاں چند روز قبل میں نے جینا کے ساتھ خطا انگیز اور فرحت آفریں لمحات گزارے تھے۔ اسے نے کوئٹہ کا آغاز کر دیا تھا اور فی دہی پر کوئی میوزک چینل چل رہا تھا۔ میں ہیڈرے بیٹھ گیا اور جھل کو سیٹ کرنے کے بعد اپنے کام میں مصروف ہو گیا۔

میں نے گزشتہ رات جی ایم سر کی ہدایت پر امریکا والے نمبر کا سیم کارڈ پہلے ہی اپنے فون سے نکال باہر کیا تھا۔ اب میں نے عظیم کے دیے ہوئے نمبر کو بھی خیر باد کہہ دیا تاہم سیم کارڈ نکالنے سے پہلے میں نے اس میں موجود پتہ، نام و رشتہ، جیشہ اور عظیم کے تمام نمبرز کو:..... سیل فون میں کاپی کر لیا تھا تا کہ ہذا دیاں خالی سیم کو استعمال کرنے میں مجھے کسی وقت کا سامنا نہ ہو۔ میں نے پتہ والے سیم کارڈ کو خالی ہی رکھنے کا فیصلہ کیا تھا۔ اپنا کام چلانے کے لیے مجھے سیل فون کی میموری کو استعمال کرنا تھا جہاں میرے مطلوبہ نمبرز محفوظ تھے۔

اس وقت رات کے بارہ بج کر چند منٹ ہوئے تھے گویا ہفتہ دن کا آغاز ہو چکا تھا۔ جب میں نے اپنا سلاخون آن کر لیا تھا تو وہاں پر کوئی بھی ایکسٹ شیج یا مس کال موجود نہیں تھی۔ اس کا مطلب یہ کہ ابھی تک عظیم یا حشید نے مجھ سے رابطہ کرنے کی کوشش نہیں کی تھی۔

میں نے عظیم کے نمبر پر یہ فیکٹ بھیج کیا۔ ”میں اسد علی تمہارے فیکٹ رپلائی کے بعد تمہیں اس نمبر سے کال کروں گا۔ یہ نمبر میں نے عارضی استعمال کے لیے حاصل کیا ہے۔ تم اس نمبر کو احتیاطاً کسی کاغذ پر نوٹ کر لو کہمرا نے سیل

فون میں سیو نہیں کرتا۔“

”او کے برو۔“ فوراً اس کا چٹائی.... آگیا۔“

کہاں ہوا اور کیسے ہو؟“

میں نے اسے کال کی اور جواب دیا۔ ”میں ٹھیک ہوں۔“

اور ایک محفوظ مقام پر بیٹھا ہوں۔ تم اپنی سناؤ، سب خبریں۔“

”ہے؟“

”میں بھی ٹھیک ہوں اور فی وی کے سامنے پناہ طلب میوزیمز کو چھپ کر رہا ہوں کہ کہیں سے نادر شاہ نہ نکلے۔“ لیکن ابھی تک کہیں سے چھتہ دیکھنے اور سننے کو نہیں ملا۔

”س نے چھپا۔“ میری سمجھ میں نہیں آ رہا کہ یہ کیا مماشابہ راجا رچر پولیس موبائلز نے ان کی پائی روف کو کھیرے میں لے لیا تھا۔ یہ کوئی معمولی کارروائی نہیں ہے۔ شاہ کا بھی بتا رہا تھا کہ پولیس والوں کے ارادے بڑے خطرناک ہیں کہ ہمیں ایک اس حوالے سے عمل خاموشی چھانی ہوئی ہے۔“

”یہ بھی تو ہو سکتا ہے کہ شاکر نے تم سے غلط بیانی کی۔“ میں نے ایک ممکنہ زاویے کی جانب اشارہ کر دیا۔
وئے کہا۔ ”پولیس کی کسی کارروائی کی کوئی حقیقت نہ ہو۔“
”پہلی بات تو یہ کہ شاکر مجھ سے جوٹ نہیں بول

”نہیں۔“ وہ بڑے اعتماد سے بولا۔ ”میں اس سے پہلے بھی ناکرے سے کئی مرتبہ کام لے چکا ہوں اور اس نے مجھے، کوکو نہیں دیا۔ دوسری بات یہ کہ ایسا کرنے میں اس کا کوئی عمدہ نظر نہیں آتا۔ میزائل کہتا ہے کہ نامعلوم افراد والی ہائی وے پولیس کے ہتھے چڑھ چکی ہے۔“

”اگر شا کر پر تمہارا بھروسہ اتنا ہی پختہ ہے تو پھر میرا
 یقین میں بدل جاتا ہے۔“ میں نے سوچ میں ڈوب
 گئے لکھ میں کہا۔

وہ اضطرابی لہجے میں مستفسر ہوا۔ ”تم اپنے کون سے کام اور تھکنوں کا بات کر رہے ہو؟“

”جیہی کہ پولیس نے واقعی کوئی کارروائی کی ہے۔“
 س نے سمجھیر اعزاز میں کہا۔ ”اور اس کا ٹارگٹ ٹاور شاہ
 معلوم افراد ہرگز نہیں ہیں اور یہ کہ..... وہ اپنی اس
 کارروائی کو خفیہ رکھ رہے ہیں۔“

”پھر پولیس کا ٹارگٹ کون ہے؟“ عظیم نے
سناتے ہوئے لہجے میں دریافت کیا۔

”میں.....!“ میں نے دو ٹوک انداز میں جواب دیا۔ ”اسد علی..... اور پولیس کے اس مشن کے پیچھے کوئی اور طاقت کارفرما ہے اسی لیے اس کارروائی پر رد و ثل دا

”لیا ہے۔“

”او بانی گاؤں!“ وہ ایک گہری سانس خارج کرتے ہوئے بولا۔ ”تمہارے وثوق کو دیکھ کر مجھے ڈر محسوس ہو رہا ہے۔“
 ”تمہیں خوف زدہ ہونے کی قطعاً کوئی ضرورت نہیں۔“
 ”نہیں، تمہاری آواز انا میں کہا۔“ مالک کرم کرے گا۔“

”یار! یہ تو بڑی واہیات صورت حال ہے۔“ وہ
 ڈراری سے بولا۔ ”کیا میں یونہی ہاتھ پر ہاتھ رکھے گھر میں
 بیٹھا بیٹھا ہوں گا؟“

”ہرگز نہیں۔“ میں نے سسکی بچے میں چاہا۔ ”میں نے
کے لیے مصروفیت لکالی ہے۔ کل دوپہر میں تمہیں ایک
مہم کام کرتا ہے۔“

”کیا کام؟“ اس نے چوتھے ہوئے کچے میں پوچھا۔
 ”تم نے اپنے دوست کا کیا نام بتایا تھا.....“ میں
 نے کہا۔ ”وہ جو احمد رح علی سوسائٹی میں ”خان ہاؤس“ کے
 رہتا ہے؟“

”ساجد..... اس کا نام ساجد محمود ہے۔“
 ”اور تم نے یہ بھی بتایا تھا کہ جنید خان کے پردوش کن
 ٹوس یعنی ”خان ہاؤس“ میں اس کا آنا جانا بھی ہے؟“
 ”ہاں۔ یہی حقیقت ہے۔“ اس نے جواب دیا۔

”تم کل دوپہر میں جا کر ساجد سے ملے۔“ میں نے اپنے ذہن میں موجود منصوبے سے عقلمی کو گاہ کرتے ہوئے ”تم ساجد کو بتاؤ کہ قہار ایک دوست یا سیریک امریکا سے آیا ہوا ہے اور وہ ڈراما پر ڈیویس کرنے میں گہری دلچسپی لیتا ہے۔ یا سیریک کے پاس سرمائے کی کوئی کمی نہیں مگر وہ لائن میں زیر و بنا زبرد ہے۔ وہ چاہتا ہے کہ کوئی تجربہ کار ڈیویڈ یا سراس کے سرمائے سے فی وی ڈراما بنائے اور اس کا ممواد مالی منافع بھی ملے لہذا ساجد کل آفشلون میں کسی وقت یا سیریک اور جنید خان کی میننگ ارنج کروا دے۔ تم میری بات سمجھ رہے ہو۔“

”اچھی طرح سمجھ رہا ہوں برو۔“ وہ چمک کر بولا۔
 ”اور یہ ماسرہنگ کوئی اور نہیں بلکہ تم ہو..... ہیں نا؟“

”تمہارا اندازہ بالکل درست ہے۔“ منیر نے ثابت میں جواب دیا۔ ”میں اس پر دو کھن ہاؤس میں کرایہ ایک خاص قسم کی تحقیق کرنا چاہتا ہوں۔ چنانچہ کیوں، مجھے یقین ہے کہ ”خان ہاؤس“ کے اندر سے مجھے چھپکر خان جنگ رسائی کا راستہ ملے گا۔ میں کچھ عرصہ وہاں قیام کا ارادہ رکھتا ہوں۔“

”قیام.....!“ اس نے ابھن زدہ لہجے میں کہا۔ ”مگر

یہ کیسے ممکن ہوگا؟“

”تم فکرت نہ کرو۔ میں اپنے چھٹکنڈوں سے اسے ممکن بنالوں گا۔“ میں نے کہا: ”تم ساجد کے کان میں چھوٹک دینا کہ تمہارا دوست یا سر بیگ بڑا رنگین مزاج ہے اسی لیے اس نے شوز بکار خریدا ہے تاکہ چھیناؤں تک رسائی آسان ہو یا اسی نوعیت کی کوئی اور بات بھی کر سکتے ہو..... ساجد یہ بات حیدر خان تک پہنچانے کا باقی میں سنبھال لوں گا۔“

”تم بے فکر ہو جاؤ۔“ وہ پُر اعتماد دلچسپی میں بولا۔ ”مجھے
لو کہ یہ کام ہو گیا۔ میں چند خان کے ساتھ تمہاری میٹنگ
کرنے کے بعد اسی نمبر پر تمہیں ٹیکسٹ کر دوں گا۔“
”ادے۔“ فیک کیئر۔ ”میں نے بات ختم کرنے

وا لے انداز میں کہا۔
 ”یوٹو برو۔“ اس نے کہا۔

مطہم کے بعد میں نے جشید کے ممبر پر کال کی۔
تیسری ٹھکنی پر اس نے فون اٹینڈ کر لیا۔ میں نے اپنا تعارف
کراتے ہوئے کہا۔

”جشید ایہ میں ہوں علی..... تمہاری میڈم کا چہرہ والا
رشتے دار۔“

”سر! آپ کہاں ہیں۔“ اس نے تشویش بھرے انداز میں پوچھا۔ ”آپ خیریت سے تو ہیں نا؟“

میر نے اسے بتایا۔ ”لیکن تمہاری آواز سے گھبراہٹ
 ”میں جہاں بھی ہوں، بالکل خیریت سے ہوں۔“

جھلک رہی ہے۔ کیا کوئی پریشانی ہے؟“

نے انکشاف انگیز لہجے میں بتایا: ”انہوں نے ہنگامے کا ایک
 کہ کوئی کچھ کہہ سکتا ہے۔“

”وہ وہاں کیا لینے آئے تھے۔“ میں نے بچہ چما۔
”جہیں کچھ اندازہ ہوا؟“

اس نے میرے استفسار کے جواب میں تفصیل بتائی۔ جیشید کے بیان کے مطابق لگ بھگ بارہ بجے رات ایک پولیس موبائل ماں کے چنگل پر پہنچی تھی تاہم اس موبائل میں سے وردی پوش اور سادہ لباس دونوں قسم کے افراد برآمد ہوئے تھے جن میں نادر شاہ بھی شامل تھا۔ مذکورہ موبائل کے ساتھ ایک قیمتی گاڑی بھی آئی تھی جو موبائل سے کچھ فاصلے پر کھڑی رہی تھی۔ اس میں قیمت سفید گاڑی میں سے کوئی باہر نہیں نکلا تھا مگر جیشید نے گاڑی کی معنی نسبت پر کسی غیر ملکی عورت کو بیٹھے دیکھا تھا۔ اس کے بعد سادہ لباس اور وردی پوش پولیس والوں نے ماں کے پورے چنگل کی

علاشی لی تھی پھر وہ واپس چلے گئے تھے۔ اپنی بات کے اختتام پر جشید نے بتایا۔

”وہ لوگ آپ کی تلاش میں آئے تھے اور انہوں نے مجھ سے آپ کے بارے میں پوچھا تھا۔ میں نے کہہ دیا کہ آپ واپس جدہ چلے گئے ہیں۔ اس پر انہوں نے نادر شاہ سے بڑے کرخت لہجے میں سوال کیا کہ تم تو کہہ رہے تھے کہ اس کی فلائٹ ہفتے کی صبح دس بجے کی ہے، پھر وہ رات ہی میں جدہ کیسے چلا گیا؟“

نادر شاہ نے لجاجت آمیز انداز میں جواب دیا۔ ”پتا نہیں سر، وہ کہاں چلا گیا۔ اس نے تو مجھے اپنا ٹکٹ دکھایا تھا جس کے مطابق اس کی فلائٹ ہفتہ بارہ جولائی کی صبح دس بجے کی تھی۔ میری سمجھ میں نہیں آ رہا، یہ کیا معنی ہے۔“

”ہم جنہیں سارے معنی سمجھا دیں گے۔“ ایک پولیس والے نے شاہ جی کو گھورتے ہوئے کہا۔ ”تم نے آج کی شام اس بندے کا ٹکٹ دیکھا، آج کی رات ہم تمہیں اپنا ٹکٹ دکھائیں گے۔ اس کے بعد یا تو تمہاری زبان اس بندے کے بارے میں سچ اچھے پر آمادہ ہو جائے گی یا پھر تمہاری روح اس بندے کے پاس جدہ پہنچ جائے گی۔“

”پھر وہ لوگ نادر شاہ کو موبائل میں بٹھا کر اپنے ساتھ لے گئے تھے۔“

جشید نے بات مکمل کی تو میں نے سرسراہٹے ہوئے لہجے میں پوچھا۔ ”اور وہ سفید مٹی کا ڈی؟“

جشید نے جب سے مجھے بتایا تھا کہ اس نے سفید گاڑی کی قطعی نشست پر کسی غیر ملکی عورت کو براہمان دیکھا تھا اسی لمحے سے میرے پورے وجود میں بے چینی بھری تھی۔ میرا دھیان فی الفور ڈیٹلیٹیا کی طرف چلا گیا تھا۔ میرا دل کہہ رہا تھا کہ وہ ڈیٹلیٹیا کے سوا اور کوئی نہیں ہوگی۔ اگرچہ اس ذیل میں کسی تصدیق کی ضرورت نہیں تھی لیکن پھر بھی میں نے جشید کو کریدنے کا فیصلہ کر لیا۔ اسی لمحے وہ میرے سوال کے جواب میں بولا۔

”سر اور وہ سفید لیکس گاڑی بھی موبائل کے پیچھے ہی روانہ ہو گئی تھی۔“

میں نے حیرت بھرے لہجے میں پوچھا۔ ”کیا جنہیں گاڑیوں کے برانڈ کی پہچان ہے؟“

اس کی زبان سے لیکس کے ذکر نے مجھے حیران کیا تھا۔ ”سرا مجھے جتنی گاڑیوں کے بارے میں معلومات حاصل کرنے کا بہت شوق ہے۔“ اس نے میرے سوال کے جواب میں بتایا۔ ”خاص طور پر میں لوگوں سے گاڑیوں کو پہچان لیتا ہوں۔ جب میں نے اس سفید لکڑی کا ڈی پر مخصوص قسم کا ”میل“ والا نوٹ دیکھا تو مجھے کیا کہ یہ لیکس کا ہے۔“ اس نے لٹائی تو قوت کر کے ایک گہری سانس لی پھر انکشاف انگیز لہجے میں بولا۔

”اور تو اور۔۔۔ میں نے لیکس کا نمبر بھی نوٹ کر لیا ہے۔“

”ویری گڈ!“ میں نے سراہنے والے انداز میں کہا۔

”یہ خبر تم مجھے بھی بتا دو۔“

اس نے گاڑی کا نمبر مجھے بھی نوٹ کروا دیا۔ میں نے وہاں لیکس کی قطعی نشست پر نظر آنے والی غیر ملکی عورت کے بارے میں جشید سے مختلف سوال کیے تو اس کے جوابات سے اس امر کی تصدیق ہو گئی کہ وہ ڈیٹلیٹیا ہی تھی جو میری تلاش میں نادر شاہ کے توسط سے ماں کے ہنگام تک پہنچی تھی۔ نادر شاہ تک اس نے دیگر رسائی حاصل کی تھی اس کے بارے میں، میں فی الوقت حتمی طور پر کہہ نہیں سکتا تھا۔ یہ ایک اتفاق بھی ہو سکتا تھا کہ پولیس کی کارروائی کے نتیجے میں نادر شاہ ان کے ہتھے چڑھ گیا تھا اور یہ ایک سوچا سمجھا منصوبہ بھی ہو سکتا تھا۔ ڈیٹلیٹیا جس روپے کی کلا کار تھی اور وہ جتنے با اختیار اور اثر رسوخ والے لوگوں کی آڑ کا کرتی ان کے معاملات میں اتفاقات کی کھنچاؤ تلاش نہیں کی جاسکتی تھی۔ یہ لوگ جو سوچتے تھے، وہ کر گزارتے تھے۔

”میری بات دھیان سے سنو جشید۔“ میں نے غصہ بھرے ہوئے لہجے میں کہا۔ ”اگر پولیس والے یا وہ لیکس والی خاتون دوبارہ تمہاری طرف آئیں اور ہنگام میں داخل ہو کر تلاش وغیرہ لیتا چلیں تو تم نے کسی قسم کی مزاحمت نہیں کرنا بلکہ ایک امن پسند شہری کی طرح تم نے ان لوگوں کے ساتھ بھرپور تعاون کرنا ہے۔ وہ تم سے جو بھی سوال کریں، پورے اعتماد کے ساتھ اس کا نادر انداز میں جواب دینا ہے۔ میرے بارے میں تمہارا بیان یہی ہونا چاہیے کہ میں تمہاری میڈم کا ایک قریبی رشتے دار ہوں جو ادھر جدہ میں ہوتا ہوں۔ میں تمہاری میڈم سے ملنے کراچی آیا تھا پھر تمہاری میڈم کا عمرہ پر جانے کا پروگرام بن گیا۔ وہ میرے ساتھ پاکستان سے سعودی عرب جانے والی تھیں کہ ان کا مرز ہو گیا اور میں واپس جدہ چلا گیا۔ بس، اس سے زیادہ تم میرے بارے میں کچھ نہیں جانتے۔“

”میں سمجھ گیا سر۔“ اس نے مضبوط لہجے میں کہا۔ ”آپ کو اس سلسلے میں مگر مند ہونے کی ضرورت نہیں لیکن۔۔۔“

وہ بولتے بولتے اچانک رکا تو میں نے پوچھا۔ ”لیکن کیا جشید؟“

”لیکن میرا ذہن کہتا ہے، حقیقت اس سے کافی مختلف ہے۔“ اس نے غصہ بھرے ہوئے لہجے میں کہا۔

”کیا مطلب ہے تمہارا؟“

”آپ میڈم کے کسی قریبی رشتے دار سے بہت بڑھ کر ہوسر!“ وہ غصے سے غصہ میں بولا۔

”تمہارا اندازہ درست ہے جشید۔“ میں نے صاف گوئی کا مظاہرہ کرتے ہوئے کہا۔ ”میں یہ بات اچھی طرح جانتا ہوں کہ تم اپنی میڈم کے سچے وقار ہوا اس لیے تمہیں حقیقت سے آگاہ کرنے میں کوئی حرج نہیں ہے۔ مجھے سو

یقین ہے کہ تم میرے ہر راز کو اپنی میڈم کا راز جان کر اس کی حفاظت کرو گے۔“

”میں آپ کے راز کی حفاظت کے لیے اور آپ کی جان کے تحفظ کے لیے اپنی جان پر بھی کھیل سکتا ہوں سر۔۔۔“ وہ جوش و جذبہ بات کی آمیزش سے بولا۔ ”آپ کا جب دل چاہے، مجھے آزار نہ ملے۔“

”آزار کس سے ان لوگوں کو گزارا جاتا ہے جن کی وقار داری پر خلک ہو۔“ میں نے معتدل انداز میں کہا۔ ”میں تم پر اندھا دھار ہوا کر سکتا ہوں۔“

”اگر آپ کو مجھ پر اندھا اعتماد ہے تو پھر بتائیں کہ میڈم سے آپ کا کیا رشتہ ہے؟“ اس نے امید بھرے لہجے میں پوچھا۔

میں نے اس کی امید کو توڑنا مناسب نہ جانا اور سرسراہٹے ہوئے لہجے میں جواب دیا۔ ”میں جدہ سے نہیں، امریکا سے آیا ہوں اور میں تمہاری میڈم کا سنا بیٹا ہوں۔“

”تو میرا اندازہ درست تھا۔۔۔“ وہ ایک گہری سانس لے کر کہہ گیا۔ ”امریکا کی طرف تو میرا دھیان نہیں گیا لیکن میڈم کے والدین نے پن کوڈ کد کر میں سمجھ گیا تھا کہ آپ کا

ان کے ساتھ ماحتمل رشتہ ہے۔“

آئندہ باجگ منٹ میں، میں نے جشید کو اپنے بارے میں مختصر بتایا پھر کہا۔ ”تفصیلی باتیں ملاقات پر ہوں گی۔ فی الحال تم یہ جان لو کہ جن لوگوں نے میرے باپ کو انیس سال پہلے موت کے گھاٹ اتارا تھا انہی نے تمہاری میڈم یعنی میری ماں کو بھی قتل کر دیا ہے اور اب وہ لوگ میری تلاش میں ہیں اور اس مشن میں نادر شاہ ان سے تعاون کر رہا ہے۔“

”پھر تو یہ شاہ جی بہت ہی ناپاک بندہ ہے۔“ وہ نفرت انگیز انداز میں بولا۔ ”میں تو آئندہ اس شیطان کو ہنگامے کے اندر قدم بھی نہیں رکھنے دوں گا۔“

”تم ایسا کچھ بھی نہیں کرو گے۔“ میں نے تاکیدی انداز میں کہا۔ ”دیسے تو پولیس اسے آسانی سے چھوڑنے والی نہیں لیکن پھر بھی تمہاری کسی ادا سے یہ ظاہر نہیں ہونا چاہیے کہ تم حالات کی حقیقت سے واقف ہو چکے ہو۔ ماں نے اپنا یہ بگلا نادر شاہ کے توسط سے فروخت کیا ہے اور وہی دو ماہ کے لیے ہنگامے کو کرائے پر اٹھائے گا۔ وہ جو کرتا ہے، اسے کرنے دو۔ تم نے اس کے کسی کام میں مداخلت نہیں کرنا تا کہ اسے کسی قسم کا شک نہ ہو کہ اس کی ایک ایک حرکت پر تم نے گہری نظر رکھنا ہے اور جب بھی ہماری بات ہو، تم نے مجھے تفصیلی رپورٹ دینا ہے۔“ لٹائی تو قوت کے بعد میں نے ایک طویل سانس خارج کی پھر اپنی بات مکمل کرتے ہوئے کہا۔

”میرا یہ نمبر اپنے سیل فون میں فیکس نہیں کرنا بلکہ اسے کسی کاغذ پر نوٹ کر لو۔ جب بھی کوئی بڑبھروسہ کرو، مجھے مس کال کر دینا۔ پھر میں جب مناسب سمجھوں گا، تم سے رابطہ کر لوں گا۔ میری بات سمجھ رہے ہونا؟“

”ابھی طرح سمجھ رہا ہوں سر۔“ وہ بڑے کراہے لہجے میں بولا۔ ”مجھے آپ کا نمبر کسی کاغذ پر لکھ کر رکھنے کی ضرورت نہیں۔ میں اس نمبر کا درد کر کے اسے زبانی یاد کر لوں گا۔ آپ میرے مالک ہیں۔ آپ کو اندازہ نہیں کہ میں میڈم سے کتنی عقیدت رکھتا تھا اور۔۔۔ رکھتا ہوں۔“

بات کے اختتام پر وہ اچھا خاصا جذبائی ہو گیا تھا۔ میں نے بھرائی ہوئی آواز میں کہا۔ ”اگر مجھے تمہاری صحبت اور عقیدت کا اندازہ نہ ہوتا تو میں اپنی زندگی کے اہم معاملات تم سے ڈسکس نہ کرتا۔ اس حوالے سے تم بالکل پرسکون رہو۔“

”پرسکون کیسے رہوں سر۔۔۔“ وہ گہری سنجیدگی سے بولا۔ ”آپ اتنے مشکل حالات میں گھرے ہوئے ہیں اور میں عملاً آپ کے لیے کچھ بھی نہیں کر پا رہا۔“

”تم عملاً میرے لیے کیا کرنا چاہتے ہو؟“ میں نے پوچھا۔

”آپ جو ہیں سر۔“ وہ جاں نثار کرنے والے انداز میں بولا۔

”تمہارا کوئی قریبی رشتے دار ہے کراچی میں؟“

”نہیں سر۔“ اس نے جواب دیا۔

میں نے پوچھا۔ ”کوئی سجادہ مست؟“

کے دماغ پر دباؤ بڑھنے لگتا ہے۔ یہ دباؤ اعصاب میں تناؤ پیدا کرتا ہے جس سے جذبات و احساسات میں بے پناہ پیدا ہوتا ہے جو انسان کو کسی بھی عقلی کارروائی پر اکاڑ سکتا ہے۔ سب الفاظ دیگر ڈیٹافیکٹا کی بجائے آخری کوشش ہوگی کہ میں جلد از جلد اس کی تحویل میں چلا جاؤں تاکہ وہ میری شخصیت کا آپریشن کر سکے۔ اپنے مقصد کے حصول کے لیے وہ کسی بھی حد تک جاسکتی تھی اور..... اگر اس مرحلے میں اس کے ہاتھ لگ جاتا تو اس کا انداز پر پلٹن ہالو، ڈیس والے ہتکے پر بہتر کھینے کے قیام کی طرح ہرگز دوستانہ نہ ہوتا۔ اب کی بار اس کا برتاؤ لفظی افسر جیسا ہوتا اور..... ٹرائل کے دوران میں زبان کھلوانے اور میری حقیقت تک رسائی حاصل کرنے کے لیے وہ کوئی بھی سنگین حربہ استعمال کر سکتی تھی لہذا مجھے کسی بھی قیمت پر اس کے ہتھے نہیں چڑھنا تھا۔

لگ بھگ ڈیڑھ بجے پنا کمرے میں آئی۔ اس نے ایک طویل جماعتی لینے کے بعد پوچھا۔ ”کیا ہو رہا ہے؟“ میں نے لی دی کو آف کرتے ہوئے جواب دیا۔

”میدان جنگ کا سروے کر رہا ہوں۔“

”اس سروے کی رپورٹ کیا ہے؟“ وہ منہ پر ہاتھ رکھ کر ایک اور جماعتی لینے ہوئے مستغرق ہوئی۔

میں نے جواب دینے کے بجائے پوچھا۔ ”کیا تمہیں نیند آرہی ہے؟“

”ہوں.....“ وہ بخور لہجے میں بولی پھر منہ پر ہتھیلی سے ”آوا داوا“ کرتے ہوئے اضافہ کیا۔ ”پتا نہیں، اس زور کی مست نیند کیوں آرہی ہے۔ لگتا ہے، نادیہ کی بچی نے کافی میں کچھ گھول کر پلا دیا ہے۔“

”نیند آرہی ہے تو سو جاؤ۔“ میں نے سرسری انداز میں کہا۔ ”اس میں پریشانی کی کیا بات ہے؟“

”ایسے کیسے سو جاؤں۔“ وہ میرے سامنے بیٹھے ہوئے بولی۔ ”پچھلے تہوار کی سروے رپورٹ سنو گی۔ اس کے بعد سونے کے بارے میں سوچا جائے گا۔“

میں نے نہایت ہی مختصر الفاظ میں اسے تازہ ترین صورت حال سے آگاہ کیا اور اسے مطمئن دیکھ کر وہ نیند کے بارے میں بتایا۔ اس نے پوری توجہ سے میری بات سنی اور میرے خاموش ہونے پر کبھی لکھ میں کہا۔

”حالات تو میری توقع سے بھی زیادہ سنگین ہیں۔“

”میں اس سے بھی زیادہ سنگین اور خطرناکی کی توقع کر رہا ہوں۔“ میں نے گہری سنجیدگی سے کہا پھر پوچھا۔ ”کیا تمہیں ڈر لگ رہا ہے؟“

ہوتا، وہ جن لوگوں کے قتل پر کام کر رہی تھی وہ پوری دنیا کو چلانے کے دعوے دار تھے۔ مجھے شک نہیں بلکہ یقین تھا کہ چار سو یا پانچ سو پولیس کی کارروائی بھی اسی کی خوشنودی کے لیے کی گئی تھی، گویا اس نے کراچی میں قدم رکھتے ہی یہاں کی مشینری کو فعال کر دیا تھا۔ اس کا ایک مطلب یہ بھی تھا کہ پولیس درحقیقت نادر شاہ کے تعاقب میں تھی، تاہم معلوم افراد بدقسمتی سے پولیس کے ہتھے چڑھ گئے تھے۔

جی ایم سر کی فراہم کردہ اطلاعات کے مطابق اسل اینڈ یونٹ والوں نے ڈیٹافیکٹا کو ایک خاص ٹانگہ دے کر راولپنڈی بھیجا تھا۔ اسے غریبہ، الغریبہ اور ان کے بیس سالہ بیٹے کا سراغ لگانا تھا لیکن اس کی تحقیق کا نتیجہ یہ نکلا کہ غریبہ اور اس کا شوہر الغریبہ اب اس دنیا میں باقی نہیں تھے۔ اسے یہ بھی پتا چلا تھا کہ جب وہ لوگ امریکا سے پاکستان آئے تو ان کے ساتھ کوئی بچہ نہیں تھا۔ گویا وہ لوگ مذکورہ بیٹے کو امریکا ہی میں چھوڑ آئے تھے۔ اس نوکٹ نے ڈیٹافیکٹا کے چندہ مینی کل کر دیے ہوں گے۔ وہ یہی سمجھتی تھی کہ انہیں جس غیر معمولی شخص کی تلاش تھی وہ میں ہوں یا سوسائٹی والوں نے اسے ایسا سمجھا دیا تھا۔ اب اگر منطقی انداز میں سوچا جائے تو ڈیٹافیکٹا کے ذہن میں پہلے ہوئے گراؤنڈ میپ کو پر آسانی پڑا جاسکتا تھا جو کچھ اس طرح تھا۔

میں پچھلے اٹیس سال سے امریکا میں تھا اور یہ نہیں جانتا تھا کہ میرے ماں باپ کون ہیں۔ مجھے اکل علی سلطان نے پال پوس کر پر دان چڑھایا تھا۔ اس میں منظر کے ساتھ یہ سوچا جاسکتا تھا کہ اٹیس سال پہلے غریبہ اور الغریبہ مجھے علی سلطان کی نگہداشت میں دے کر پاکستان چلے آئے تھے۔ اس قیدوری کی رو سے میں ہی ڈیٹافیکٹا کا سوٹ ڈائمنڈ پرسن تھا لیکن یہ قیدوری کراچی کے حالات کے تناظر میں کل ہو جاتی تھی۔ ڈیٹافیکٹا میری تلاش میں کراچی تو پہنچ گئی تھی مگر یہاں آکر نادر شاہ کی زبانی اسے پتا چلا ہوگا کہ میں سکی اور حیدر علی کا بیٹا ہوں جو ایک سال کی عمر میں اغوا کر لیا گیا تھا اور اب ماں کے قتل کے بعد میں جدہ میں ہوتا ہوں۔

میں چشم تصور سے ڈیٹافیکٹا کو جھنڈاتے، پیچ و تاب کھاتے اور ادھر سے ادھر کھینچتے دیکھ سکتا تھا۔ موجودہ صورت حال نے اسے پتہ چلا کہ وہ کھانا ہوگا۔ اس کی سمجھ میں نہیں آ رہا ہوگا کہ میری اصلیت اور میری حقیقت کیا ہے؟ کیا میں ہی ان کا مطلوبہ نوجوان ہوں؟ اگر میں وہ شخص نہیں ہوں تو پھر وہ کہاں ہے؟

جب کوئی بات انسان کی سمجھ میں نہ آئے تو پھر اس

”اوکے سر۔ آپ بھی اپنا خیال رکھنا۔“ جمشید نے اپنا ہتھ بھرے انداز میں کہا۔

میں اسے ”گڈ نائٹ“ کہہ کر اپنے کمرے میں حاضر ہو گیا۔ اسی لمحے نادیہ ایک خڑے میں کافی کا ٹگ لے کر بیڈروم میں داخل ہوئی۔ کافی والے ٹگ کے علاوہ خڑے میں، ایک پلیٹ میں چند کوکیز بھی رکھے ہوئے تھے۔ میں نے ”شکر ہے“ کے ساتھ خڑے اس کے ہاتھ سے لے لی۔ اس نے کہا۔

”جینا میرے ساتھ بیٹھی ہے۔ اگر تم کہو تو اسے اندر بھیج دوں۔“

”نہایت ہی شرمیلے لڑکے سے کدے اچکاتے ہوئے کہا۔ ”تم لوگ اپنی گپ شپ جاری رکھو۔ وہ جب خود آجائے تو بھیج دینا۔“ وہ ”اوکے“ کہتے ہوئے بیڈروم سے نکل گئی۔

میں موجودہ حالات پر غور کرنے لگا۔ اس کے ساتھ ہی کافی نوشی کا مکمل بھی شروع ہو گیا۔ جمشید نے مجھے جو کچھ بتایا تھا، وہ بہت تشویش ناک اور فکر انگیز تھا۔ پچھلی رات جی ایم سر نے ڈیٹافیکٹا کے بارے میں جو کچھ کہا تھا وہ حرف بہ حرف درست ثابت ہوا تھا۔ وہ ہسپانوی دو شیئر میرے حصول کے لیے غم خوگ کہ میدان میں اتر آئی تھی۔ ویسے میں گزشتہ رات اس کی آمد کی توقع کر رہا تھا مگر وہ آج سرگرم عمل ہوئی تھی۔ اس امر میں کسی شک و شبہ کی گنجائش تلاش نہیں کی جاسکتی تھی۔ اس ہتکے تک نادر شاہ نے اسے پہنچایا تھا۔ نادر شاہ کو ماں نے بتایا تھا کہ میں ان کا وہ بیٹا ہوں جو انیس سال پہلے ان سے لڑ گیا تھا۔ تاہم نادر شاہ کے علم میں یہی تھا کہ میں جدہ سے آیا ہوں اور وہاں کوئی ریسٹورنٹ چلاتا ہوں اور یہ کہ..... ماں یہاں کی زندگی کو خیر باد کہہ کر مستقل طور پر دہلی میں میٹل ہونے کا فیصلہ کر چکی تھیں لیکن زندگی نے وفا نہیں کی۔ نادر شاہ کا پولیس کے ہتھے چڑھ جانے کا سیدھا سیدھا حلیہ مطلب تھا کہ اب یہ ساری معلومات ڈیٹافیکٹا تک پہنچ چکی تھیں بھی وہ میری تلاش میں ماں کے ہتھے تک رسائی حاصل کرنے میں کامیاب ہوئی تھی تاہم میری خوش قسمتی کہ اس کے چھاپا مارنے سے پہلے ہی میں پناہ کے ساتھ ماں کے ہتھے سے نکل گیا تھا۔ میری بروقت حکمت عملی نے مجھے ڈیٹافیکٹا کے خڑے محفوظ کر دیا تھا۔ اگر میں اپنی فیملی کو نظر انداز کرنے کی غلطی کر بیٹھا تو وہ آفت کی پرکاش پڑا سانی میں چھاپ چکی ہوئی.....

لیکسس کو دیکھ کر اندازہ لگایا جاسکتا تھا کہ ڈیٹافیکٹا کو یہاں کس درجے کا پروٹوکول دیا جا رہا تھا اور ایسا کیوں نہ

”غلام عباس نامی ایک شخص ہے۔“ اس نے بتایا۔

میرا جگر یار ہے۔

”کیا یہ جلی والا ہے، اس کے بچے ہیں؟“ میں نے استفسار کیا۔ ”اس کی رہائش کراچی کے کس علاقے میں ہے؟“

”اس کے بیوی بچے مردان کے ایک گاؤں میں رہتے ہیں۔ غلام عباس ریلوے کالونی کے ایک چھوٹے سے کوارٹر میں چھڑا رہتا ہے۔“

”ٹھیک ہے۔“ میں نے کہا پھر پوچھا۔ ”اگر کبھی کسی ایمر جنسی میں مجھے ایک دورات کے لیے اس کے پاس ٹھہرنے کی ضرورت پیش آجائے تو وہ انکار تو نہیں کرے گا؟“

”سوال ہی پیدا نہیں ہوتا سراسر“ وہ پورے یقین سے بولا۔

”غلام عباس میری بات کو کسی بھی صورت میں ٹال نہیں سکتا۔“

”اوکے“ میں نے مختصراً کہا۔

وہ بولا۔ ”لیکن سراسر ریلوے کالونی کا علاقہ آپ کے شایان شان نہیں۔ آپ ایسی جگہ کس طرح رہا کریں گے؟“

”مجبوری کا نام ٹھہریے۔“ میں نے کہا۔ ”نی الحال میں ایک محفوظ آرام دہ ٹھکانے پر ہوں۔ یہ تو میں احتیاطاً پوچھ رہا ہوں تاکہ مستقبل قریب میں اگر ہنگامی بنیادوں پر مجھے نہیں پناہ لینے کی ضرورت پیش آئے تو اس وقت میرے سامنے ایک منزل موجود ہو۔“

”آپ میرے پاس کیوں نہیں آجاتے سر۔“ اس نے محبت بھرے انداز میں کہا۔ ”میں آپ کو اس ہتکے میں اس طرح چھپا کر رکھوں گا کہ کسی دشمن کی نگاہ آپ تک رسائی حاصل نہیں کر سکے گی۔“

”میں تمہارے اخلاص کی قدر کرتا ہوں جمشید لیکن وہ بگلا اب کئی زاویوں سے میرے لیے محفوظ نہیں رہا۔“ میں نے اسے حالات کی سنگینی کا احساس دلاتے ہوئے کہا۔ ”وہ پولیس والے میری تلاش میں دوبارہ، سہ بارہ ادھر کارخ کر سکتے ہیں اور میں یقین ہے کہ انہوں نے ہتکے کے بیڈروم کو ٹگ کر دیا ہو یا یہ بھی ہو سکتا ہے کہ انہوں نے کمروں میں مانگیر ویکارڈنگ ڈیولپس چھپا دی ہوں۔ کیا تم اس وقت ان کے ساتھ تھے جب وہ لوگ کمروں کی تلاش لے رہے تھے؟“

”نہیں سر۔“ اس نے فنی میں جواب دیا۔ ”میں تو گیت پر موجود رہا تھا اور انہوں نے نادر شاہ کو بھی میرے پاس چھوڑ دیا تھا۔ ہتکے کے اندر صرف پولیس والے ہی گئے تھے۔“

”تب تو میرے خدشات اور بھی مستحکم ہو جاتے ہیں۔“

میں نے سوچ میں ڈوبے ہوئے لہجے میں کہا۔ ”اپنی پاؤں..... تم اپنا خیال رکھنا۔ مالک بہت جلد سب ٹھیک کر دے گا۔“

”بات ڈرنے کی نہیں ملی۔“ اس نے سوچ میں ڈوبے ہوئے لہجے میں کہا۔ ”مجھے تشویش اس بات کی ہے کہ ہماری واپسی کے دروازے ایک ایک کر کے بند ہو رہے ہیں۔“

”آگے بڑھنے والے واپسی کے دروازوں کے کھلنے اور بند ہونے کی پروا نہیں کیا کرتے۔“ میں نے کہا۔ ”ان کی لگائیں آگے ہی اپنی منزل پر جمی ہوئی ہیں۔“

”تم ٹھیک کہتے ہوگی۔“ وہ میری آنکھوں میں دیکھتے ہوئے پُر سوچ انداز میں بولی۔ ”کیا ”خان ہاؤس“ میں تم اکیلے ہی جاؤ گے؟“

”جاؤں گا تو عظیم کے دوست ساجد کے ساتھ لیکن جنید خان کے ساتھ میری میٹنگ دن نوں ہوگی۔ ساجد کو میں واپس بھیج دوں گا۔“

”اور تم خان ہاؤس میں رکنے کے بارے میں بھی سوچ رہے ہو۔“ اس نے سوالیہ نظریں مجھے دیکھا۔

”ہاں۔ کم از کم ایک رات تو لازمی رکنا پڑے گا۔“

میں نے صاف گوئی کا مظاہرہ کرتے ہوئے کہا۔ ”باقی وہاں کے حالات پُرخصر ہے۔ اگر ضرورت محسوس ہوئی تو میرا قیام طول بھی چک سکتا ہے۔“

”اور اس دوران میں میرا کیا ہوگا؟“ وہ میرے چہرے پر لگاؤ کاڑتے ہوئے بولی۔

”تم اپنے اپارٹمنٹ پر رہو گی۔ یہاں!“ میں نے ایک ایک لفظ پر زور دیتے ہوئے کہا۔

”نہیں!“ وہ قہقہے لہجے میں بولی۔ ”میں بھی تمہارے ساتھ جاؤں گی۔“ وہ اپنی جگہ سے اٹھ کر میرے قریب آگئی پھر میرا ہاتھ تھامتے ہوئے بولی۔ ”علی! میں تمہارے بغیر نہیں رہ سکتی۔“

”میں تمہارے جذبات کو اچھی طرح سمجھ رہا ہوں جیتا۔“ میں نے گہری سنجیدگی سے کہا۔ ”لیکن یہ کڑوا گھونٹ تمہیں حلق سے اتارنا ہی پڑے گا کیونکہ یہ وقت کا تقاضا اور حالات کی مجبوری ہے۔“

”تم کہتے ہو تو مان لیتی ہوں۔“ وہ میرے ساتھ لگتے ہوئے بولی۔

”اور میں جب تک واپس نہیں آ جاتا، تم اسی اپارٹمنٹ میں رہو گی۔“ میں نے کہا پھر پوچھا۔ ”کتنے لوگوں کو یہ بات معلوم ہے کہ تم اس اپارٹمنٹ کی مالک ہو؟“

”نادیہ اور تم یہ بات جانتے ہو۔“ اس نے بتایا۔ ”یا ایک دوا در لوگ۔“

میں نے استفسار کیا۔ ”ان ”ایک دو لوگوں“ میں نادر

شاہ تو شامل نہیں؟“

”سوال ہی پیدا نہیں ہوتا۔“ وہ پورے جتن سے بولی۔ ”جب میں نے اس راز کو میڈم سے چھپا کر رکھا ہوا تھا تو یہ نادر شاہ کیا سمجھتا ہے۔“

”ٹھیک ہے۔“ میں نے اثبات میں گردن ہلاتے ہوئے کہا پھر دریافت کیا۔ ”اور نادر شاہ کے پاس تمہارا سیل فون نمبر بھی نہیں ہے؟“

”نہیں۔“ اس نے دو ٹوک انداز میں جواب دیا۔

”لیکن اس سے تم فون جن بلا کیوں کے ساتھ اس جگہ میں رہ رہی ہیں ان سب کے پاس تو یقیناً تمہارا یہ کارڈ لکٹ نمبر ہوگا؟“

”بالکل۔“ اس نے اثبات میں سر ہلا دیا۔

”کچھ عرصے کے لیے تمہیں یہ نمبر استعمال نہیں کرنا چاہیے۔“ میں نے گہری سنجیدگی سے کہا۔ ”پولیس ڈیپارٹمنٹ کے اہلکار جس شدت سے مجھے تلاش کر رہی ہے اس کی روشنی میں کچھ بعید نہیں کہ وہ نادر شاہ کے اشارے پر مذکورہ جگہ کا بھی رخ کرے کیونکہ میرے ساتھ تم ہی منظر سے غائب ہو۔“

نادر شاہ نے وہ ہنگامہ دیکھا ہوا ہے۔ وہ جانتا ہے کہ تم میرے پیچھے جہد جانے والی ہو لہذا وہ مجھے شکار کرنے کے لیے تمہاری تلاش میں پولیس کو ہاں پہنچا سکتا ہے۔ اگر تمہارا نمبر پولیس کو مل گیا اور یہ نمبر ان کی رہا تو وہ لوگ آسانی سے تمہاری لوکیشن ٹریس کر سکتے ہیں مجھے یہ کسی بھی طور کو اور نہیں کہ تم پولیس کی کسٹڈی میں چلی جاؤ۔“

”یہ تو تم بالکل ٹھیک کہہ رہے ہوگی۔“ اس نے گردن ہلاتے ہوئے کہا۔ ”لیکن سیل نمبر کا کوئی مسئلہ نہیں۔ میرے پاس ایک اور ایکسٹرا اسم کارڈ بھی ہے۔ میں اس نمبر کو کال کر اس نمبر کو سیل فون میں لگا لیتی ہوں۔“

”اوہ۔۔۔ ایک اور ایکسٹرا اسم کارڈ۔۔۔!“ میں نے حیرت بھرے لہجے میں کہا۔ ”تم لوگوں کے تو خوب مزے لگتے ہوئے ہیں۔“

”عظیم کے پاس بھی چار، پانچ نمبر کے اسم کارڈ موجود تھے۔ یہ عیش اور بہاریں امریکا میں عوام کو میسر نہیں تھیں۔“

”میں نے سرسری انداز میں جواب دیا۔

”یہ کوئی ایڈونٹس ہے۔“

میں نے کہا۔ ”ٹھیک ہے۔ اگر تم اس نمبر کو محفوظ رکھتی ہو تو اسے ہی اپنے پوز میں رکھو اور یہ نمبر مجھے بھی بتا دو۔“

اس نے وہ نمبر دہرایا تو میں نے اسے اپنے سیل فون میں فیڈ کر لیا پھر سمجھانے والے انداز میں کہا۔

”جب تک میں ”خان ہاؤس“ سے واپس نہیں آ جاتا، تم اپنی ریڈکلس کو اس اپارٹمنٹ بلڈنگ کی پارکنگ سے باہر نہیں نکالو گی۔ تمہیں خود کہیں جانا ہو تو کوئی اور ذریعہ استعمال کرنا۔ ہم لوگ جتنی احتیاط کریں گے اتنے ہی محفوظ رہیں گے۔“

”میں تمہاری ہدایات پر عمل کرنے کی کوشش کروں گی۔“ وہ غصہ سے ہوئے لہجے میں بولی پھر ایک جہاں لیتے ہوئے غور و آواز میں اضافہ کیا۔ ”مجھے پھر نیند آنے لگی ہے۔“

”ادھر سو جاؤ۔۔۔“ میں نے بیڈ پر اس کے لیے جگہ بناتے ہوئے کہا۔

وہ بیڈ پر دراز ہو گئی پھر مجھ سے بولی۔ ”مجھے سلاؤ۔۔۔“

”جیسے نیند آ رہی ہو اسے سلائے کی کیا ضرورت ہے۔“ میں نے اس کی طرف دیکھتے ہوئے کہا۔ ”تمہاری آنکھوں میں خوار کے چشمے اہل رہے ہیں۔ پلٹیں گراؤ اور نیند کی حسین وادیوں کی سیر کر لیں جاؤ۔“

”اکیلے ہی؟“ اس نے جب سے لہجے میں کہا اور کسی ساحر کے انداز میں مجھے بخینے لگی۔

”جیتا! مدد بھری آنکھوں میں سرخ ڈورے تیر رہے تھے۔ ان لحاظ میں وہ کنوڑا آنکھیں مدھملا لائن کی تھیں۔ مجھے یوں محسوس ہوا جیسے میں کسی سے خانے میں بیٹھا ہوں اور اس کی آنکھوں سے مقناطیسی شعاعیں خارج ہو کر میری آنکھوں کے راستے دماغ تک رسائی حاصل کر رہی ہیں۔“

”تم نے میری نیند کا بیڑا غرق کر دیا ہے۔“ وہ روٹنے ہوئے انداز میں بولی۔

”میں نے بیڑا غرق کیا ہے تو میں ہی اس بیڑے کو کنارے پر بھی لگاؤں گا۔“ میں نے اپنا بازو دراز کرتے ہوئے کہا۔ ”یہاں آ جاؤ۔“

اس نے کسی فرماں بردار بیچے کے مانند میرے پھیلے ہوئے بازو پر اپنا سر رکھ کر آنکھیں بند کر لیں۔ میں دوسرے ہاتھ کی انگلیوں سے اس کے شہد رنگ بالوں کو لوری ستانے لگا۔ جیتا کی فرمائش تھی کہ میں اسے سلاؤں۔ کسی بھی انداز میں کسی مگر میں اس کی یہ خواہش پوری کر رہا تھا۔

جیتا کا سر میرے بازو پر تھا اور دلکش چہرہ میری آنکھوں سے چند انچ کی دوری پر۔ میں اس کی سانسوں کی سنسنی خیز نیش کو اپنے حواس میں جذب ہوتا محسوس کر رہا تھا۔ اس کے زرخیز سینے کا زرد ورم احساس پر بجلیاں گرا تھا، دل میں گدگد کی جگہ کا تھا اور نیت میں فتور بھرتا تھا۔ میں نے گردن جھکا کر اس کی پیشانی پر بوسہ دیا۔ وہ سس سے سس نہ

ہوئی۔ میں نے اپنے اس عمل کو اس کے چہرے کے مختلف حصوں پر آزمایا۔ اس کے بدن میں کسی قسم کی کوئی تاثر یا حس اثر ازلی جنبش نمودار نہ ہوئی۔ وہ بڑے سکون سے بے حس و حرکت پڑی رہی۔ مجھے یہ سمجھنے میں کوئی دشواری محسوس نہ ہوئی کہ وہ سو چکی ہے۔

میں نے چند منٹ تک اسے اسی پوزیشن میں بڑا رہنے دیا تاکہ اس کی نیند بچی ہو جائے پھر میں نے بے آہستگی اپنے بازو کو اس کے سر کے نیچے سے نکال دیا۔ وہ مزے سے پڑی سوئی رہی۔ اس کی بے خبری سے یہی ظاہر ہوتا تھا کہ وہ گہری نیند میں اترا چکی ہے۔ میں نے نائٹ بلب کو آن کرنے کے بعد لائٹ کو آف کیا اور بیڈ روم سے باہر نکل آیا۔ میں سٹنگ روم میں بیڈ کر کچھ سوچنا چاہتا تھا۔

اس اپارٹمنٹ کے دونوں بیڈروم سٹنگ روم میں کھلتے تھے۔ میں نے سٹنگ روم میں قدم رکھا تو ایک صوفے پر مجھے نادیہ بیٹھی دکھائی دی۔ میں یہ توقع کر رہا تھا کہ وہ اب تک صوفے کے لیے اپنے بیڈ روم میں جا چکی ہوگی لیکن وہ میری توقع کے برعکس سٹنگ روم کے ایک صوفے پر بیٹھی اپنے سیل فون کے ساتھ مصروف تھی۔ میں اپنی کوبھل کنا دیہ کے بارے میں سوچنے لگا۔

مجھ پر لگاؤ پڑی تو اس نے سیل فون ایک طرف رکھ دیا اور شائستگی سے استفسار کیا۔

”خیریت۔۔۔ کچھ چاہتے تھیں؟“

”نہیں۔“ میں نے فنی گردن ہلاتے ہوئے کہا۔

”مجھے نیند نہیں آ رہی گی اس لیے باہر نکل آیا۔“

اس نے ٹک آلو نظریں مجھے دیکھا۔ اس کا یہ دیکھنا مشکل سے دو سیکنڈ کا تھا۔ اس دیکھن دھن میں، میں سمجھ گیا کہ اس کے دماغ میں کیا چل رہا ہے پھر اگلے ہی لمحے دل کی بات اس کی زبان پر آ گئی۔

”کیا نادیہ ابھی تک جاگ رہی ہے؟“ اس نے پوچھا۔

”نہیں۔ وہ تو گہری نیند سو رہی ہے۔“ میں نے بتایا۔

”وہ تو کافی پتے ہوئے بھی ہے یہی لمبی جہاں میں لے رہی تھی۔“ نادیہ نے کہا پھر ایک فوری خیال کے تحت بولی۔

”تم کھڑے کیوں ہو؟ بیڈ جاؤ۔۔۔!“

میں نادیہ کے سامنے دوسرے صوفے پر بیٹھ گیا۔

”چائے کافی سے لوگوں کی نیند آ جاتی ہے۔“ وہ معتدل انداز میں بولی۔ ”لیکن جیتا تو کافی کا الٹا اثر ہوا ہے۔“

”وہ کافی اثر والی کافی تھی نا۔۔۔ اس لیے!“ میں

وقت

ذرا غور کیجیے

☆ حسد کی انتہا اور نفرت کی انتہا انتقام ہے۔ تم کتنا ہی سنگین ہو غیبت سے پہلے تک ہے۔
☆ اللہ نہایت کریم ہے اس نے ہمیں بھولنے کی صفت دی کہ ہم غموں اور بُرے واقعات کو بھول سکیں لیکن ہم اسے بھول بیٹھے۔
☆ وہ لوگ جن کے پاس بولنے کے لیے بہت کچھ ہوتا ہے، وہ عام طور پر مختصر ترین لفظوں کا استعمال کرتے ہیں۔
☆ عادتیں بے شک آپ کی اپنی ہوتی ہیں مگر آپ دوسروں کے لیے ہوتے ہیں۔
☆ تعجب ہے اس شخص پر جو اللہ تعالیٰ کو جانتا ہے اور بھرنیوں کا ذکر کرتا ہے اور ان پر بھروسہ کرتا ہے۔

سنہرے حروف

☆ ہر چیز اس طرح دیکھو جیسے پہلی دفعہ دیکھ رہے ہو پھر اس دنیا میں تمہارا وقت بہت شادمانی سے گزرے گا۔
☆ موت تکلیف دہ ہے لیکن اتنی نہیں جتنی زندگی۔
☆ جہاں جاؤ، خوشیاں چھوڑ آؤ تاکہ لوگ تمہیں یاد کریں۔
☆ دعا بھی بیکار نہیں جانی البتہ قبول ہونے کی صورتیں مختلف ہیں۔ اہم ہونا خوب صورت ہے، خوب صورت ہونا اہم نہیں۔ اسی طرح بعض خوب صورت لوگوں میں خوب صورتی نہیں ہوتی۔

سادگی

کالج کے ایک پروفیسر کو کسی وجہ سے مکان چھوڑ کر دوسری جگہ قلیٹ میں منتقل ہونا پڑا۔ قلیٹ چھوٹی منزل پر واقع تھا اور لفٹ نہیں تھی۔ مزدور کتابوں کے بٹلر چوٹی منزل پر پہنچاتے پہنچاتے تھک گیا۔ ساتویں پھیرے میں وہ سر پکڑ کر عاجزی سے بولا۔ "پروفیسر صاحب! یہاں منتقل ہونے سے پہلے اگر آپ یہ سب کتابیں پڑھ لیتے تو مجھے اتنی مصیبت نہ اٹھانی پڑتی۔"
سر۔ وزیر محمد خان، محل ہزارہ

"اوہ.....!" وہ ایک آسودہ سانس خارج کرتے ہوئے بولی۔ "تو یہ بات ہے۔"
"بالکل سچی بات ہے۔" میں نے اس کے بیڑوم کی سمت قدم بڑھا دیا۔ "اگر تم بھی اعلیٰ اور گھری ہوئی چاندنی رات کا نظارہ کرنا چاہتی ہو تو آ جاؤ۔"
میں نے بات کے اختتام پر پلٹ کر دیکھنا ضروری نہ سمجھا اور نادیدہ کے بیڑوم کے اندر سے گزر کر گیلری میں پہنچ گیا۔ اس بیڑوم میں چند روز پہلے میں نے چٹا کی معیت میں کچھ لمحات گزارے تھے۔ یہ مختصر سی سنگت بڑی فرحت بخش اور ناقابل فراموش تھی۔ یہ ان دنوں کی بات ہے جب نادیدہ اسلام آباد کی ہوئی تھی اور چٹا اس کی پھلیوں کو خوراک اور پودوں کو پانی دینے میرے ساتھ یہاں آئی تھی اور اب صورت حال یہ تھی کہ چٹا برابر والے بیڑوم میں گہری نیند کے مزے لوٹ رہی تھی اور میں اس کی قربت سے نکل کر نادیدہ کے ساتھ خوش گپوں میں مصروف تھا۔
اپارٹمنٹ کی گیلری میں دو گارڈن چیز بھی رکھی ہوئی تھیں۔ میں ایک چیز پر بیٹھ کر آسمان پر چمکتے قوس من کو دیکھنے لگا۔ چاند پوری آب و تاب کے ساتھ اپنے حسن کی خیرات کو ماحول کی اندر کر رہا تھا۔ فضا میں ہر طرف اس کی دل فریب چاندنی پھیلی ہوئی تھی۔ پورے چاند کی چاندنی ساحل و کوہ و درختوں میں ہر نظر سے کو جاذب نظر اور سحر انگیز بنا دیتی ہے۔ قبل اس کے کہ میں اس فلسفاتی ماحول کا حصہ بن جاتا، مجھے اپنے عقب میں کسی کی موجودگی کا احساس ہوا۔
میں نے گردن تھما کر دیکھا تو میرا اندازہ درست ثابت ہوا۔ وہ نادیدہ تھی۔ میں نے ادھر کا رخ کرتے ہوئے اس سے کہا تھا، اگر تم بھی اعلیٰ اور گھری ہوئی چاندنی رات کا نظارہ کرنا چاہتی ہو تو آ جاؤ۔ اور وہ میری توقع کی تکمیل کرتے ہوئے چلی آئی تھی۔
اس نے دوسری کرسی چھنی لی اور مجھ سے دو فٹ کے فاصلے پر بیٹھتے ہوئے بولی۔ "چاندنی رات میں کتنا جادو ہوتا ہے نا.....!"
"بہت زیادہ۔" میں نے انگلی سے چاند کی جانب اشارہ کرتے ہوئے کہا۔ "یہ بڑا عجیب و غریب جادوگر ہے اور..... چٹا نہیں، کس کس کا محبوب ہے وہ قادیان۔"
"بے وقایوں؟" اس نے بڑی جاذب نظر سے مجھ دیکھا۔
"بہت سے انسان، پرندے خصوصاً پیکور اس سے بے پناہ محبت کرتے ہیں۔" میں نے ٹھہرے ہوئے لہجے

"جو بھی سمجھ لیں، میں بھلا کیا کہہ سکتا ہوں۔" میں نے کہا۔
"ویسے مجھے ایک بات کا انوس ہے۔" وہ ذومعنی لہجے میں بولی۔
میں نے پوچھا۔ "کس بات کا؟"
"چٹا کی نیند نے تمہاری رات کالی کر دی.....!"
"رات تو کالی ہی ہوتی ہے۔" میں نے اس کے چہرے پر نگاہ جماتے ہوئے کہا۔ "چاہے کوئی چٹا کی طرح دنیا و مافیہا سے خبر سوتا رہے یا ہم دونوں کے مانند الوؤں کے انداز میں جاگتا رہے۔"
"ایک لحاظ سے تمہاری بات درست ہی ہے لیکن بعض راتیں سفید بھی ہوتی ہیں۔" وہ سوچ میں ڈوبے ہوئے لہجے میں بولی۔ "جو کسی کے سونے یا چائے سے متاثر نہیں ہوتیں جیسی کہ آج کی رات ہے..... اعلیٰ اعلیٰ اور گھری ہوئی، چاندنی میں نہانی ہوئی، پاکیزہ اور معطر۔"
میں نے چونک کر نادیدہ کی طرف دیکھا اور سیکنڈ کے دس ویں حصے میں اس کی بات میری سمجھ میں آ گئی۔ آج چاند کی پندرہ تاریخ تھی۔ چودہ، پندرہ تاریخ کو چاند مکمل ہوتا ہے اور اپنی روان پرور چاندنی سے ماحول کو نشاط انگیز بنا دیتا ہے۔
میں ایک جھٹکے سے اٹھ کر کھڑا ہو گیا۔ نادیدہ نے گھبرائے ہوئے انداز میں دریافت کیا۔ "کیا ہوا؟"
"اگر تمہیں کوئی اعتراض نہ ہو تو میں تمہارے بیڑوم سے گزر کر گیلری کی طرف جا چاہتا ہوں۔" میں نے جواب دیا۔
"مجھے کوئی اعتراض نہیں۔" وہ جلدی سے بولی۔
"لیکن تو بتاؤ، جہیں گیلری میں کیا کام ہے؟"
"نادیدہ! تمہیں پریشان ہونے کی ضرورت نہیں۔" میں نے تسلی میرے انداز میں کہا۔ "رات کالی ہونے کے غم میں، میں آٹھویں فلور کی گیلری سے ہرگز ہرگز کودنے کا ارادہ نہیں رکھتا۔"
"پھر.....؟" اس کی حیرت دو چند ہو گئی۔
"میں تمہاری بات کی تصدیق کے لیے وہاں جانا چاہتا ہوں۔" میں نے بتایا۔
اس نے ابھمن بھرے انداز میں دریافت کیا۔ "کون سی بات؟"
"یہی کہ....." میں نے ڈرامائی انداز اختیار کرتے ہوئے کہا۔ "بعض راتیں سفید بھی ہوتی ہیں۔"

نے معنی خیز انداز میں اس کی طرف دیکھا۔
وہ ہلکی سی ہچکاتے ہوئے بولی۔ "میں کچھ بھی نہیں؟"
"چٹا کو شک ہے کہ تم نے کافی میں کچھ گھول کر اسے پلا دیا ہے۔" میں نے بہر طور معنی خیز لہجے میں کہا۔
"ایسی کوئی بات نہیں۔" وہ قطعیت کے ساتھ لہجے میں گردن جھٹکتے ہوئے بولی۔ "جو کافی میں نے لی اور چھپیں دی وہی کافی چٹا نے بھی پی ہے۔ اگر میں نے کافی میں کوئی خواب آور شے ملائی ہوتی تو اس وقت ہم تینوں دنیا و مافیہا سے بے خبر پڑے سو رہے ہوتے۔"
"تمہاری دلیل تو اپنی جگہ غاسی مضبوط ہے لیکن!" میں نے دانستہ جملہ ادھر اور چھوڑا تو وہ میری سنجیدگی کے پیش نظر مضطرب لہجے میں مستفسر ہوئی۔ "لیکن کیا؟"
"تم نے اگر صرف چٹا کی کافی میں کچھ ملا دیا ہو تو؟"
میں نے ایک مرتبہ پھر جیسے کوئی مکمل چھوڑ دیا۔
"کیا تم میری نیت پر شک کر رہے ہو؟" اس نے چمکے ہوئے لہجے میں پوچھا۔
"ہرگز نہیں۔" میں نے صاف گوئی کا مظاہرہ کرتے ہوئے کہا۔ "میں محبت کرنے والوں کی نیت پر شک کرنے کے بارے میں سوچ بھی نہیں سکتا۔ ایسا سوچنا میرے نزدیک ایک سنگین غلطی بلکہ گناہ عظیم ہے۔"
وہ ابھمن زدہ انداز میں بولی۔ "تو پھر یہ سب کیا ہے؟"
"میں نے تو اپنا غفلت ہونے والی تمہاری دوست کی بات کو تم تک پہنچایا ہے۔" میں نے نادیدہ کی آنکھوں میں دیکھتے ہوئے کہا۔ "اس نے طویل جمابھیاں لیتے ہوئے یہ خدشہ ظاہر کیا تھا کہ لگتا ہے، نادیدہ کی بچی نے کافی میں کچھ گھول کر پلا دیا ہے۔"
"ارے..... وہ مذاق کر رہی ہوگی۔" وہ گہری سانس خارج کرتے ہوئے بولی۔
"مجھے بھی یہی لگتا ہے۔" میں نے اپنی سنجیدگی کو برقرار رکھتے ہوئے کہا۔ "ورنہ مجھے تو اس اپارٹمنٹ میں تمہاری کوئی بچی دکھانی نہیں دی۔"
وہ بے اختیار پس پڑی پھر معنی خیز نظر سے مجھ دیکھتے ہوئے بولی۔ "تمہارا مذاق مجھے پسند آیا۔"
"شکر ہے!" میں نے کہا۔ "ورنہ مذاق ایک ایسی چیز ہے جو بہت کم لوگوں کو اچھا لگتا ہے۔ پسند آنا تو بہت دور کی بات ہے۔ آپ کافی اہل ذوق تھی ہو۔"
"یہ خواب آور دوواں والی کافی تو نہیں؟" وہ شرارت آمیز انداز میں بولی۔

میں کہا۔ ”یہ سب کو تسلی، دلاسا اور آس دیتا ہے مگر کسی کا بھی ہو کر نہیں رہتا۔“

میں نے نادبہ کی دھکی دھکی دم کو چھیڑ دیا تھا۔ وہ محبت میں چوٹ کھائی ہوئی ایک دھم خورہ عورت تھی۔ میری وضاحت نے اسے رنجیدہ کر دیا۔ اس نے ہونٹ سمجھ کر صرف اتنا کہا۔

”یہ تو سر اسخو فرضی ہوئی نا۔۔۔!“

میں اچھی طرح سمجھ سکتا تھا کہ نادبہ کا یہ جواب چاند کی بے وفائی کے ذیل میں ہرگز نہیں تھا۔ اس نے ”خود فرضی“ کے الفاظ اپنے محبوب عمران کے لیے استعمال کیے تھے جو چند ماہ پہلے اسے انکسور مار کر کسی اور کا ہو گیا تھا۔ میں نے واضح طور پر محسوس کیا کہ وہ ابھی تک عمران کی بے وفائی کے صدمے میں گرفتار تھی۔ میں اسے اس ذہنی کیفیت سے نکالنے کے لیے زیادہ وقت نہیں دے سکتا تھا لیکن اسی لمحے میں نے فیصلہ کر لیا کہ اس کی معیت کی جتنی بھی سائنٹیں مجھے میسر ہیں، میں اس کے زخموں پر مرہم رکھ کر اسے غم و اندوہ کے طوفان سے باہر نکالنے کی کوشش کروں گا۔

”نادبہ! تمہیں ایک دلچسپ بات بتاؤں۔“ میں نے آسمان پر چمکتے چاند کی طرف اشارہ کرتے ہوئے کہا۔

”کیا وہ دلچسپ بات اسی بے وقا کے بارے میں ہے؟“ اس نے چاند پر نگاہ ڈالتے ہوئے کہا۔

”ہاں!“ میں نے اس کی آنکھوں میں دیکھتے ہوئے اثبات میں گردن ہلا دی۔

وہ میری طرف متوجہ ہوتے ہوئے بولی۔ ”بتاؤ، کیا بات ہے؟“

”ساؤتھ ایشیا کے ممالک خصوصاً ملائیشیا، سنگاپور، تائیوان، ہانگ کانگ، بوریو، جاوا، سافرا، انڈونیشیا اور بانی میں پورے چاند کو ایک خاص حوالے سے بہت اہمیت دی جاتی ہے۔“ میں نے اسے بتایا۔ ”تو جوان لڑکے اور لڑکیاں اپنے عقیدے کے مطابق۔۔۔ آسمان پر چمکتے ہوئے پورے چاند پر نگاہ جما کر کھڑے ہو جاتے ہیں۔ ان کا یہ ایمان ہے کہ اس عمل سے انہیں پتا چل جاتا ہے کہ ان کا جیون ساتھی کون ہے یعنی چاند کے اندر انہیں اپنے لائف پارٹنر کی شکل نظر آ جاتی ہے۔“

”ایسا میں نے بھی سن رکھا ہے۔“ وہ دلچسپی لیتے ہوئے بولی۔ ”علی! تمہاری باتوں سے میں نے اندازہ لگایا ہے کہ تم نے دنیا کے کئی ملکوں کی سیر کر رکھی ہے۔“

”تمہارا اندازہ صدمہ فیصد درست ہے۔“ میں نے

کہا۔ ”میں نے امریکا، کینیڈا، آسٹریلیا، نیوزی لینڈ، جنوبی ایشیا، ساؤتھ افریقا کے علاوہ یورپ کے کئی ممالک دیکھ رکھے ہیں۔“

”واؤ۔۔۔“ وہ سرسراتی ہوئی آواز میں بولی۔ ”تم نے تھوڑی دیر پہلے فل مون کے حوالے سے لوگوں کے جس عقیدے کا ذکر کیا، تم نے خود بھی اس کا تجربہ کیا ہے؟“

”نہیں!“ میں نے دونوں انداز میں جواب دیا۔

”کیوں؟“ اس نے استفسار کیا۔ ”کیا تم نے اس کی ضرورت محسوس نہیں کی یا تم شادی شدہ ہو۔۔۔ پھر جلدی سے وضاحت کرتے ہوئے بولی۔ ”علی! میرے کسی سوال کا برا نہیں مٹانا۔۔۔“

”ایک بات ذہن نشین کر لو کہ میں دوستوں کی کسی بات کا برا نہیں مٹاتا۔ اس کی وضاحت مکمل ہونے سے پہلے ہی میں بول پڑا۔ ”تم مینا کی بہت اچھی دوست ہو اور مینا کی مجھ سے دوستی ہو چکی لہذا اس سچے سے تم میری بھی دوست ہو۔ باقی جہاں تک میرے شادی شدہ ہونے کی بات ہے تو میں فی الحال ایسی بکھر بندی میں نہیں ہوں اور مستقبل قریب میں دور دور تک اس کا کوئی امکان بھی دکھائی نہیں دیتا۔“

میں سانس ہموار کرنے کی غرض سے تھوڑی دیر کے لیے تنہا پھر اضافہ کرتے ہوئے کہا۔

”میں نے لائف پارٹنر کی تلاش کے سلسلے میں فل مون والا تجربہ کرنے کی اس لیے ضرورت محسوس نہیں کی کہ میں اس عقیدے پر یقین نہیں رکھتا۔ لہذا جیون ساتھی کی تلاش کا یہ طریقہ میری نظر میں تو ہم پرستی کے زیادہ اور کچھ نہیں۔“

”تم بالکل شیک کہہ رہے ہو علی۔“ وہ تائیدی انداز میں گردن ہلاتے ہوئے بولی۔ ”میں تم سے مکمل اتفاق کرتی ہوں۔ میرا ایمان یہ ہے کہ جو بڑے آسمانوں پر جتے ہیں اور کوئی نہیں جانتا کہ کچھ تقدیر نے کس کے نصیب میں کس کو لکھ رکھا ہے۔“

بات کے اختتام پر اس کی آواز میں فی اترا آئی تھی۔ میں بخوبی سمجھ رہا تھا کہ دل کے زخموں پر گرنے والے گھٹین آنسوؤں نے اس کی آواز کو بھگودیا تھا۔ اندر گرنے والے آنسو بڑے بے زبان ہوتے ہیں کچھ اندازہ نہیں ہوتا کہ کسی کی یاد نے روح کو تار تار اور ہیکر کو پاش پاش کر دیا۔

میں نے جذبات و احساسات کا لوہا گرم دیکھا تو ٹرینٹ کی چوٹوں کا آغاز کر دیا۔ ”نادبہ جی۔۔۔“ میں نے اس کی آنکھوں میں بہت دور تک جھانکتے ہوئے اپنائیت بھرے لہجے میں کہا۔ ”جب انسان کا یہ ایمان ہو کہ محبت،

قسمت کا کھیل ہے تو پھر قسمت کے اس کھیل کے نتائج کو تقدیر کے مالک کا لکھا سمجھ کر دل و جان سے قبول کر لینا چاہیے۔“

”میں نے قبول کر لیا ہے۔“ وہ سسک پڑی۔

”تقویت کے دو چہرے ہوتے ہیں۔“ میں نے یہ دستور اس کی آنکھوں میں دیکھتے ہوئے کہا۔ ”اپنے خلاف برآمد ہونے والے کھیل کے نتیجے کو ایک بہادر انسان کی طرح فخر سے سیدتان کر قبول کرنا یا پھر کسی بزدل کے مانند گردن جھکا کر آنسو بہاتے ہوئے سسک پڑنا۔۔۔“

”میں بزدل نہیں ہوں علی!“ وہ اپنی بیگلی آنکھوں کو ہاتھ کی پشت سے صاف کرتے ہوئے بولی۔ ”لیکن تو نا ہوا دل جب تک جڑ نہیں جاتا، یہ کمزوری تو رہے گی۔!“

”عمران کم ظرف تھا۔“ میں نے ٹھہرے ہوئے لہجے میں کہا۔ ”اور ایسے لوگوں کے لیے اپنے آنسوؤں کے قیمتی خزانے کو براؤن کرنا چاہیے۔“

”گلتا ہے، جتنا ہے، جتنا ہے، میرے اور عمران کے بارے میں کافی تفصیل سے بتا رکھا ہے۔“ اس نے چونک کر میری جانب دیکھا پھر الجھن زدہ لہجے میں استفسار کیا۔ ”تم کیا کہنا چاہتے ہو؟“

”جتنا ہے تمہارے بارے میں مجھے بہت کم بتایا تھا لیکن جب میں نے تمہیں دیکھا تو بہت زیادہ سمجھ لیا۔“ میں نے صاف گوئی کا مظاہرہ کرتے ہوئے کہا۔ ”اور میری جو بات تمہارے ذہن کو ابھار رہی ہے اس کا مطلب یہ ہے کہ دل و مدد چاک کسی انتہائی طرح سنگین کو کچ کر رہا ہے۔ ان زخموں کو سلتا نہیں چاہیے۔ ان کا منہ کھلا رہے تو انٹری بہت آسان ہو جاتی ہے۔“

”تم نے تو میری الجھن کو کم کرنے کے بہانے اور بڑھا دیا ہے۔“ وہ مجھے ٹھوکتے ہوئے بولی۔ ”تم کس کی انٹری کا ذکر کر رہے ہو؟“

”تمہارے خالق اور مالک کی انٹری کا۔“ میں نے معتدل انداز میں کہا۔

”اللہ تو ہر دل کے اندر موجود ہے۔“ اس نے کہا۔

”بے شک!“ میں نے ایک ایک لفظ پر زور دیتے ہوئے کہا۔ ”لیکن مالک کو ٹوٹے ہوئے دلوں سے خصوصی محبت ہے۔ انسان کا دل مالک کا گھر ہے اور وہ اپنے شگفتہ حال گھر پر زیادہ توجہ دیتا ہے اور جب وہ ایسے گھر میں پناہ گزیں ہوتا ہے تو تمام زخموں کے منہ خود بخود دسل جاتے ہیں۔ زخم خوردہ دل اپنے مالک کی جانب یکسو ہو جاتا ہے پھر مجازی عشق، عشق حقیقی میں ڈھل جاتا ہے۔ تب حقیقی محبوب

کائنات کے ذرے ذرے میں دکھائی دینے لگتا ہے۔ اس منزل پر پہنچ کر انسان سے کیے جانے والے عشق کی کوئی اہمیت نہیں رہ جاتی۔ کبھی بھولے کچھ محبوب سامنے سے گزر بھی جائے تو آنکھ اسے پہچان نہیں پاتی کیونکہ بصارت، بصیرت میں بدل چکی ہوتی ہے۔“

نادبہ آنکھیں پھاڑ کر حیرت بھری نگاہ سے مجھے دیکھ رہی تھی۔ میں خاموش ہوا تو وہ ایک گہری سانس خارج کرتے ہوئے بولی۔ ”یہ تو عابدہ آپا دلی بات ہو گئی۔ یار کو ہم نے جانا بھادیکھا۔ کبھی ظاہر بھی چھپا دیکھا۔“

میں نے گہری سنجیدگی سے کہا۔ ”مالک جس کا یار ہے، اس کا بیڑا پار ہے۔“

ادھر میری بات ختم ہوئی، ادھر کسی قریبی مسجد میں مالک کی حمد و ثناء بلند ہوئی۔ نادبہ نے مجھ سے پوچھا۔

”علی! تم روزہ رکھو گے؟“

”اگر تم کو بھی تو رکھ لوں گا۔“ میں نے جواب دیا۔

”میں محبت کرنے والوں کی فرمائش کو نال نہیں سکتا۔“

”اس میں میری فرمائش کا کوئی عمل دخل نہیں۔“ اس نے بڑی رساں سے کہا۔ ”روزے تو ہم پر فرض کیے گئے ہیں۔ چلو پھر اٹھو۔“

وہ مجھے روزہ رکھوانے پر تل گئی تھی۔ میں نے سر تسلیم خم کرتے ہوئے کہا۔ ”اب۔ ب۔ پ۔“

”الف، بے، پے۔۔۔؟“ اس نے سوالیہ نظر سے مجھ سے دیکھا اور بولی۔ ”میں سمجھی نہیں۔“

”اسے انڈا، ب سے بالائی اور پ سے پراٹھا۔“

میں نے زیر لب مسکراتے ہوئے جواب دیا۔ ”اور اگر اس کے ساتھ ہی ایک اچھی سی چائے بھی مل جائے تو سحری کا لطف دوہلا ہو جائے گا لیکن۔۔۔“ میں نے ڈرامائی انداز اختیار کرتے ہوئے لکائی توقف کیا پھر اس کی آنکھوں میں آنکھیں ڈال کر کہا۔

”لیکن اس اچھی سی چائے کے اندر کوئی زود اثر نیند کی دوائی گھولنا نہیں بھولنا کیونکہ سحری کے بعد مجھے ایک بھر پور نیند لینا ہے۔“

وہ کھٹکھٹا کر بس پڑی۔ میرا مقصد پورا ہو گیا۔ میری محنت کے نتیجے میں اس کی اداسی جاتی رہی تھی۔ اب اس کے چہرے پر شادمانی اور تازگی نے جگہ پتائی تھی۔ اس کے اندر پیدا ہونے والی اس خوشگوار تبدیلی سے مجھے گہرا اطمینان حاصل ہوا۔

”میں سحری تیار کرنے یکن میں جا رہی ہوں۔“ اس

کمل بندوبست کر ڈالا تھا۔ وہ کسی بھی قیمت پر مجھے اپنی تحویل میں دیکھنا چاہتی تھی۔

اگر ایک لمحے کے لیے ڈیٹھنا کو اس اسٹوری سے مانس کر دیا جائے تو پھر پولیس کی اس کارروائی کا کوئی جواز باقی نہیں رہتا تھا۔ میں نے ایسا کوئی بھی جرم نہیں کیا تھا کہ پولیس اتنی شدومہ سے مجھے ڈھونڈتی پھرتی۔ پولیس ڈیپارٹمنٹ پاکستان میں ایسی مستعدی اسی وقت دکھائی ہے جب ان پر اوپر سے پریشر آتا ہے اور ڈیٹھنا جس کیلبر کی عورت تھی وہ اپنے مقصد کے حصول کے لیے گورنمنٹ کے اعلیٰ عہدے داروں سے ہنگامی احکامات سے پورے پولیس ڈیپارٹمنٹ کو ملنے کا ناچ نچا سکتی تھی۔ پھر جیشید نے مجھے نکلس کی عقیب لشت پر بیٹھی ہوئی اس غیر ملکی عورت کا جو حلیہ بتایا تھا وہ ڈیٹھنا کے سوا کسی اور کا نہیں ہو سکتا تھا لہذا مجھے اس امر میں شبہ بھر تک وشہ نہیں تھا کہ وہ ہپانوی دوشیزہ میرے نقاب میں تھی۔

میں نے ڈیٹھنا کی آنکھ پھولی والی فلم کو ذہن میں چلنے دیا اور گیلری سے اٹھ کر ڈاننگ میں آگیا۔ نادیر نے میرے حسب خواہش سحری کا انتظام کر دیا تھا۔ جس دوران میں، میں سیل فون پر جیشید سے بات کر رہا تھا، نادیر جگن میں مصروف رہی تھی جس کا نتیجہ ڈاننگ ٹیبل پر نظر آ رہا تھا۔ سحری کا وقت ختم ہونے میں زیادہ دیر نہیں تھی اس لیے ہم کھانے میں لگ گئے۔ ہماری باتیں بھی جاری تھیں۔

ہم سحری کے اختتام پر تھے کہ چنا آنکھیں ملنے ہوئے بیڈروم سے باہر نکل آئی۔ اس نے فلک بھری نظر سے یکے بعد دیگرے ہم دونوں کو دیکھا پھر سرسری انداز میں پوچھا۔

”کیا یہاں ہے؟“

”روزہ رکھا جا رہا ہے۔“ میں نے کہا۔ ”اگر تمہارا بھی ارادہ ہے تو آ جاؤ۔ کھانے بیٹے کا کافی سامان موجود ہے۔“

”میں داش روم جانے کے لیے آئی تھی۔“ وہ ایک طویل جماعتی لیے ہوئے بولی۔ ”تمہیں بستر سے غائب پایا تو مجھے حیرت ہوئی پھر میں نے آپ لوگوں کی باتیں کرنے کی آواز سنی تو ادھر آ گئی۔“

”اب آئی گئی ہو تو ناشا کرلو۔“ نادیر نے کہا۔

”سحری کا وقت تو رہا نہیں کہ روزہ رکھ سکے۔“

ادھر نادیر کی بات ختم ہوئی، ادھر مسجد میں سحری کے وقت کے اختتام کا اعلان ہونے لگا۔ میں نے چنا کی طرف دیکھتے ہوئے کہا۔

”روزہ تو کیا تھا۔ اب تم بھی داش روم کا رخ کرو۔“

”سرا یہ تو بڑی تشویش ناک صورت حال ہے۔۔۔۔۔“

”کیا تمہیں کسی قسم کا ڈر یا خوف محسوس ہو رہا ہے؟“

میں نے پوچھا۔

”نہیں سر۔۔۔۔۔“ وہ جلدی سے بولا۔ ”میں صرف آپ کے لیے فکر مند ہوں۔“

”مجھے کچھ نہیں ہوگا۔“ میں نے بڑے اعتماد کے ساتھ کہا۔ ”مالک ہر پہلے میرے ساتھ ہے۔“

”میری بھی ملنی دعا ہے کہ آپ کو کبھی کچھ نہ ہو۔“ وہ غلوں بھرے لہجے میں بولا۔ ”لیکن میں محسوس کر رہا ہوں کہ اس ہنگامے میں آپ کے لیے بہت زیادہ خطرہ پیدا ہو گیا ہے۔“

”یہ بات میں نے بھلا چھوڑنے سے پہلے ہی بھاپ لی تھی جیشید۔“ میں نے غصے سے لہجے میں کہا۔ ”اس لیے طوفان کی آمد سے قبل ہی میں وہاں سے نکل گیا تھا۔“

”اللہ آپ کی حفاظت فرمائے سر۔۔۔۔۔!“

”آمین!“ میں نے چول سے کہا۔ ”تمہیں بھی بہت زیادہ محتاط رہنا ہوگا۔ سامنے والے ہنگامے پر اس طرح نظر رکھو کہ انہیں ذرا شک نہ ہو کہ تم ان کی وہاں موجودگی سے آگاہ ہو چکے ہو۔ تم جتنی زیادہ احتیاط برتو گے، ہم اتنے ہی محفوظ رہیں گے۔“

”آپ فکر نہ کریں سرا میں پوری احتیاط سے کام لے رہا ہوں۔“ وہ پُر اعتماد لہجے میں بولا۔ ”اس وقت بھی میں اپنے کوارٹر میں ایک ایسے زاویے سے بیٹھ کر آپ سے بات کر رہا ہوں کہ سامنے والے ہنگامے کے کسی بھی حصے سے مجھے دیکھا نہیں جاسکتا۔“

”شباباش!“ میں نے سر اپنے والے انداز میں کہا پھر پوچھا۔ ”وہ تمام ہدایات ذہن نشین ہیں نا جو میں نے تمہیں دی تھیں؟“

”نہیں سر!“ وہ مضبوط لہجے میں بولا۔ ”آپ کی ایک ایک نصیحت مجھے اچھی طرح یاد ہے۔“

میں نے دو چار باتوں کے بعد سیلر رابٹل موقوف کر دیا۔

جیشید کی، سامنے والے ہنگامے کے حوالے سے فراہم کردہ اطلاعات خاصی تشویش ناک تھیں۔ جیشید نے اس ہنگامے کی چھت پر جو کچھ دیکھا تھا اگر اس میں کسی ابھام یا مغالطے کا عمل دخل نہیں تھا تو پھر اس کا یہ مطلب ہوا کہ ڈیٹھنا میرے جدہ پہلے جانے والی اسٹوری سے مطمئن نہیں ہوئی تھی۔ اسے یقین تھا کہ میں کراچی ہی میں ہوں اور کبھی نہ کبھی اس ہنگامے کی طرف ضرور آؤں گا لہذا اس نے مجھے چھاپنے کا

بائزر نہ ہو جائے۔

”سرا میں اس وقت اپنے کمرے میں ہوں۔“ اس نے جواب دیا۔

میں مطمئن ہو گیا کیونکہ میری اطلاعات کے مطابق جیشید والا کرا پولیس والوں کے ”شٹر“ سے محفوظ رہتا تھا۔ میں نے غصے سے ہونے لہجے میں دریافت کیا۔

”تمہارا دل ان کی طرف سے مطمئن کیوں نہیں ہے؟“

”سرا وہ لوگ جب سے گئے ہیں، مجھے یوں محسوس ہوتا ہے جیسے وہ ہنگامے کے آس پاس موجود ہوں۔“ جیشید نے گھبراہٹ آمیز انداز میں بتایا۔

میں نے سرسری لہجے میں کہا۔ ”ہوسکتا ہے، یہ تمہارا وہم ہو!“

”پہلے میں نے بھی سوچا تھا۔“ وہ انکشاف انگیز لہجے میں بولا۔ ”لیکن ابھی چند منٹ پہلے میری آنکھوں نے جو کچھ دیکھا ہے اسے میں وہم کے کھاتے میں نہیں ڈال سکتا۔“

میں سیدھا ہو کر بیٹھ گیا پھر گہری سنجیدگی سے پوچھا۔

”تم نے ایسا کیا دیکھا ہے؟“

”سرا ان لوگوں کے جانے کے بعد مجھے ایسا محسوس ہو رہا تھا کہ نادیدہ آنکھیں مسلسل اس ہنگامے کی نگرانی کر رہی ہیں۔“ وہ وضاحت کرتے ہوئے بولا۔ ”لیکن ابھی تو ڈی ویر پہلے میں نے سامنے والے ہنگامے کی چھت پر دو افراد کو بڑے مشکوک انداز میں ٹیبلٹ دیکھا ہے پھر میرے دیکھتے ہی دیکھتے وہ غائب ہو گئے۔“

”آپ کو کس کا کیا ہے۔“

”سامنے والے ہنگامے میں کون رہتا ہے؟“ میں نے اس سے پوچھا۔

”عمر رسیدہ جوڑا۔“ اس نے جواب دیا۔ ”جو ساتھ اور ستر کے پینے میں ہیں۔ ان کی بیٹی آسٹریلیا میں سیٹل ہے اور چنا امریکا میں مقیم ہے۔ ان دونوں بڑھاپے بڑھی کے سوا اس ہنگامے میں کوئی تیسرا شخص نہیں رہتا۔ مجھے تو ایسا لگتا ہے، پولیس والوں نے ہمارے ہنگامے پر کڑی نگاہ رکھنے کے لیے سامنے والے ہنگامے کی چھت پر مورچا بنایا ہے۔“

”ایسا ہو سکتا ہے۔۔۔۔۔“ میں نے سمجھ اعداد میں کہا۔

”اور اگر ایسا ہی ہے تو پھر انہوں نے اس نگرانی کو کامیابی سے ہمکنار کرنے کے لیے مذکورہ ہنگامے کی چھت پر لانگ رینج کی ٹیلی اسکوپ بھی نصب کی ہوں گی جن میں زومنگ لیسس کی سہولت موجود ہوگی تاکہ نگرانی کا مقصد پورا ہو سکے۔“

نے کہا۔ ”دس پندرہ منٹ میں تم بھی فریش ہو کر ڈاننگ میں آ جاؤ۔ اگر یہاں بیٹھے رہے تو۔۔۔۔۔“

وہ جملہ ادھر اچھوڑ کر مڑی تو میں نے اصراری لہجے میں کہا۔ ”اگر میں یہاں بیٹھا رہا تو کیا ہوگا۔“

”تو بار بار تمہاری نگاہ آسان کی جانب اٹھے گی۔“ وہ شرارت بھرے انداز میں بولی۔ ”اور کیا پتا، جنوینی ایشیا کے مالک میں رہنے والے افراد کا عقیدہ حقیقت کا روبرو دھارے!“

بات مکمل کرتے ہی وہ گیلری سے نکل کر بیڈروم میں داخل ہوئی۔ وہ چند الفاظ میں بہت کچھ کہہ گئی تھی۔ میں اس کی بات پر غور کر رہا تھا کہ میرے سیل فون پر کس کال ریسیو ہوئی۔ مطلب یہ کہ کسی نے کس کال کی تھی۔ یہ عظیم یا جیشید میں سے کوئی ایک ہو سکتا تھا۔ میں نے وقت دیکھا۔ صبح کے ساڑھے تین بجے والے تھے۔ میں نے سیل فون کو چیک کیا تو وہاں جیشید کی کس کال لگی ہوئی تھی۔ رات کے آخری پھر کسی خوش خبری کے لیے تو اس نے کس کال نہیں کی ہوئی۔ میں نے فوراً اسے کال کی۔ دوسری ٹھنکی پر اس نے میری کال ریسیو کر لی۔ میں نے کہا۔

”جیشید! خبریت تو ہے نا۔ تم نے اس وقت مجھے یاد کیا ہے۔۔۔۔۔؟“

”سرا آپ جاگ رہے ہیں۔“ جواب دینے کے بجائے اللہ اس نے مجھ سے سوال کیا ”آپ شیک ہیں نا؟“

”میں خیر وعافیت سے ہوں اور سحری کے لیے اٹھا ہوں۔“ میں نے اسے بتایا۔ ”تم یہ بتاؤ کہ اس وقت مجھے کال کیوں کی ہے؟ پولیس والوں نے دوبارہ ہنگامے کی طرف رخ تو نہیں کیا؟“

”نہیں سرا! وہ دوبارہ اس جانب نہیں آئے لیکن ان کی طرف سے میرا دل مطمئن نہیں ہے۔“ وہ ابھمن زدہ انداز میں بولا۔

ایک فوری خیال کے تحت میں نے اس سے پوچھا۔

”تم اس وقت ہنگامے کے کس حصے میں ہو؟“

میرے محتاط اندازے کے مطابق آج نصف شب پولیس والوں نے ماں کے ہنگامے پر جس نوعیت کی ہنگامی کارروائی کی تھی اس میں انہوں نے ہنگامے کے مختلف حصوں کو لازماً بک کیا ہوگا یا بعض مقامات پر حساس آڈیو ویڈیو ریکارڈنگ ڈیوائسز نصب کی ہوں گی تاکہ وہ اس ہنگامے میں ہونے والی نقل و حمل اور بات چیت سے باخبر ہو سکیں۔ اسی خدشے کے پیش نظر میں نے جیشید کی لوکیشن معلوم کرنے کی کوشش کی تھی تاکہ بے خبری میں ہم سے سنگین نوعیت کا کوئی

اپنے دوست ساجد کی زبانی بتا چلا تھا کہ کوئی اسٹیٹ ایجنٹ جہید خان کے پروڈکشن ہاؤس میں بھاری سرمایہ کاری کرنے کا ارادہ رکھتا تھا۔ عظیم کا یہ خیال تھا کہ وہ اسٹیٹ ایجنٹ نادر شاہ کے سوا اور کوئی نہیں ہو سکتا تھا اور تازہ ترین صورت حال بھی اسی جانب اشارہ کر رہی تھی۔

یہ تمام تر سمجھ خیالات سینکڑے دسویں حصے میں میرے ذہن سے گزرنے اور اگلے ہی لمحے میں نے جہید سے سوال کیا۔ ”پھر تم نے اس پروڈکشن شجر کو کیا جواب دیا؟“

”میں نے دو لوگ انداز میں کہہ دیا کہ مجھے تو نادر شاہ نے ایسی کوئی بات نہیں بتائی لہذا میں سمجھیں شک کے اندر داخل ہونے کی اجازت نہیں دے سکتا۔“ جہید نے جواب دیا۔ ”اور سراسر یہ حقیقت بھی ہے کہ نادر شاہ نے آپ کو کیا مجھے اس بارے میں کچھ بھی نہیں بتایا پھر میں کسی ڈراما یونٹ کو شک میں کیوں سمجھ دیتا۔“

”تو کیا تمہارے انکار پر وہ لوگ واپس چلے گئے؟“ میں نے پوچھا۔

”ان کے پاس دوسرا کوئی راستہ نہیں تھا سراسر!“ جہید نے پُر اعتماد لہجے میں کہا۔ ”وہ شاہی کو برا بھلا کہتے ہوئے لوٹ گئے ہیں۔ میں نے پروڈکشن شجر کو یہ کہتے ہی سنا کہ کم بخت نادر شاہ کا فون بھی مسلسل آف آ رہا ہے۔ میں نے فیبر صاحب کو یہ بتانے کی ضرورت محسوس نہیں کی کہ ان کا شاہی پولیس کے ہتھے چڑھ چکا ہے اور اس وقت خاسے مشکل حالات سے گزر رہا ہے۔“

”یہ تم نے بہت اچھا کیا۔“ میں نے اسے شاباشی دی۔ ”مجھے نہیں امید کہ پولیس آسانی سے نادر شاہ کو چھوڑے البتہ اس بات کا امکان موجود ہے کہ مجھے شکار کرنے کے لیے اس غیر ملکی عورت کے ایما پر پولیس نادر شاہ کو آڑا کر دے۔“

”سراسر اگر نادر شاہ اس ڈراما یونٹ کو اپنے ساتھ لے کر چلے پرتی جاتے اور مجھ سے ان کے لیے گیٹ کھولنے کو کہے تو پھر مجھے کیا کرنا ہوگا؟“ جہید نے ایک نہایت ہی اہم سوال کیا۔

”مجھے سرورست یہ ممکن نہیں لگتا اور اس کا ایک سبب بھی ہے۔“ میں نے کہا۔ ”سبب یہ کہ ہمارا خیال ہے کہ پولیس نے ہاں کے ہٹلے کے مختلف حصوں کو جگ کر دیا ہوگا یا ہٹلے کے بعض مقامات پر ایسے حساس آلات نصب کر دیے ہوں گے جو وہاں پر ہونے والی نقل و حرکت کی آڈیو ویڈیو ریکارڈنگ کریں گے۔ اس صورت حال میں پولیس وہاں پر کی کوڑا مارا

”پلیس ہو پ فار دی میٹ“ میں نے کہا۔

اس سے پہلے کہ میں مزید کچھ کہتی، میرے سبیل فون پر جہید کی مس کال موصول ہوئی۔ میں نے فوراً سے چیٹر اس سے رابطہ کر لیا۔

”ہیلو سراسر! آج لگ بھگ گیارہ بجے ایک ایسا واقعہ پیش آیا ہے جس کی اطلاع آپ کو دینا میں ضروری سمجھتا ہوں۔“ وہ ٹھہرے ہوئے لہجے میں بولا۔ ”اسی لیے ابھی میں نے آپ کو کس کال کیا ہے۔“

”اوکے“ میں نے رمان بھرے لہجے میں کہا پھر پوچھا۔ ”کیا واقعہ پیش آیا ہے؟“

”ایک ہائی روف اور دو گاڑیاں ہٹلے پر پہنچی تھیں۔ ہائی روف کے اندر کبیرے، لائسنس اور اسی نوعیت کا دیگر سامان بھرا ہوا تھا اور ساتھ ہی تین چار افراد بھی ہائی روف میں موجود تھے۔ دو گاڑیوں میں بھی صاف سحرے لباس والے مرد و زن موجود تھے۔ مجھے یہ سمجھنے میں دیر نہیں لگی کہ ان لوگوں کا تعلق شربز نس سے تھا۔ یوں محسوس ہوتا تھا، وہ اپنے تمام تر ساز و سامان کے ساتھ کسی فلم کی شوٹنگ پر نکلے ہوں۔“ لگائی توقف کر کے اس نے ایک گہری سانس لی تو میں نے سوال داغ دیا۔

”اس کے آگے کیا ہوا؟“

”ان میں سے ایک جتنے عمر کا شخص میرے پاس آیا اور اپنا تعارف کرتے ہوئے بتایا۔“ جہید نے بیان کے سلسلے کو آگے بڑھاتے ہوئے کہا۔ ”میں ایک پروڈکشن ہاؤس کی طرف سے ایک ڈرامے کی شوٹنگ کے لیے یہاں آئے ہیں۔ میں پروڈکشن شجر ہوں۔ نادر شاہ نے یہ ہٹلے ہمیں شوٹنگ کے لیے کرائے پر دیا ہے لہذا میں گیٹ کھولنا کہ ہماری گاڑیاں ہٹلے کے اندر جا سکیں۔“

نادر شاہ کا منصوبہ مکمل کر سامنے آ رہا تھا۔ اس نے مجھے یہ بتایا تھا کہ یہ ہٹلے اس نے بیرون ملک سے کسی شادی میں شرکت کے لیے آنے والی ایک عورت کو کرائے پر دے دیا تھا اور اب پتا چل رہا تھا کہ ماں کا بچا شوٹنگ لوکیشن کے طور پر اس نے کسی پروڈکشن ہاؤس کو دیا تھا۔ اغلب امکان اس بات کا تھا کہ مذکورہ ڈراما یونٹ جہید خان کے پروڈکشن ہاؤس سے تعلق رکھتا ہوگا جیسا شاہی جی بڑے تواتر سے محمد علی سوسائٹی میں ”خان ہاؤس“ کے پچھلے نگار تھا اور ایسے ہی ایک پچھلے میں ”نامعلوم افراد“ نے اسے اغوا کر لیا تھا۔ یہ الگ بات کہ بعد میں یونیورسٹی روڈ پر پولیس ان سب کو لے آئی تھی۔ عظیم نے تو مجھے یہاں تک بتایا تھا کہ اسے

”خیر چھوڑو کیا؟“

”تم برداشت نہیں کر پاؤ گی۔“ میں نے گہری سنجیدگی سے کہا۔

”میرے اندر بہت برداشت ہے۔ تم بولو، جو بھی بولنا چاہتے ہو۔“ وہ اس کے والے انداز میں مجھے گھورتے ہوئے بولی۔ ”لیکن تم مجھے جو بھی کہانی سناؤ گے، میں نادیہ سے اس کی تصدیق بھی کروں گی۔“

”تو پھر جا کر اسی نوٹری پبلک سے تصدیق کرالو۔“

میں نے اٹکی برہمی سے کہا۔ ”اب میں کچھ نہیں بتا رہا۔“

وہ چند لمحات تک بڑی گہری نظر سے مجھے دیکھتی رہی پھر سپاٹ آؤٹ میں بولی۔ ”علی اتم مجھ سے مذاق کر رہے ہوتا؟“

”میں تمہیں کوئی جوکر دکھاتا ہوں؟“ میں نے خشکی آمیز انداز میں پوچھا۔

اس نے میرے سوال کا جواب دینے کے بجائے الٹا مجھ سے استفسار کیا۔ ”کیا تم مجھ سے ناراض ہو؟“

”کیوں۔۔۔۔۔“ میں نے سوالیہ انداز میں اسے گھورا۔ ”کیا تم نے کوئی ایسی حرکت کی ہے جس پر مجھے ناراض ہونا چاہیے؟“

”میں بھی پاگل ہوں۔“ وہ ہنسائی اختیار کرتے ہوئے بولی۔ ”پتا نہیں، کیا کیا بولی رہتی ہوں۔“

”تمہیں پریشان ہونے کی ضرورت نہیں ہے بی۔“ میں نے ہمدردی بھرے لہجے میں کہا۔ ”میں تمہارے پاگل پن کا علاج کر رہا ہوں۔ انشا اللہ اب تم جلد مکمل چکی ہو جاؤ گی۔“

”میرا علاج صرف تم ہی کر سکتے ہو علی!“ وہ میرے چہرے پر نگاہ جماتے ہوئے بولی۔ ”لیکن میں چاہتی ہوں کہ تم صرف میرے ڈاکٹر بن کر رہو۔ دوسری مریضوں کے لیے دیکھا میں اور بہت سے ڈاکٹر بڑے ہیں۔ تمہیں سب کی فکر میں دبا ہونے کی ضرورت نہیں۔ سمجھ گئے نا۔۔۔۔۔!“

آخری جھیلے کے ساتھ ہی چنانے بڑے محبوبانہ انداز میں مجھے آنکھیں بھی دکھائی تھیں۔ میں نے انہماک میں گردن ہلا کر کہا۔

”کافی حد تک سمجھ گیا۔“

”کافی حد تک نہیں، تمہیں عمل سمجھنا ہوگا۔“ وہ اصرار سے لہجے میں بولی۔

”تم کوشش جاری رکھو۔“ میں نے کہا۔ ”عمل سے زندگی بنتی ہے، جنت بھی جہنم بھی۔ اگر تمہاری روک ٹوک اسی طرح جاری رہی تو جلد یا بدیر اس کا کوئی نہ کوئی نتیجہ بھی برآمد ہوگا۔“

”نتیجہ بہت برآمد ہونا چاہیے۔۔۔۔۔!“

نادیہ نے اس سے پوچھا۔ ”اگر تمہارا ہٹلے کا موڈ ہو تو میں خورد و نوش کی اشیاء کو انٹنگ ٹیکل پر ہی چھوڑ دیتی ہوں؟“

”نہیں۔۔۔۔۔ میں ابھی اور سونا چاہوں گی۔“ چنانے نیند بھرے لہجے میں کہا اور وہ اپنی بیڈروم میں محسوس کی۔

نادیہ نے ٹٹولنے والی نظر سے مجھے دیکھا اور سختی خیز انداز میں بولی۔ ”گناہ ہے، تم نے کئی راتوں سے اسے جگا رکھا ہے۔ موقع ملنے ہی بے چاری نیند پوری کرنے میں جت لگتی ہے۔“

”شاید ایسا ہی ہے۔“ میں نے ڈومنی انداز میں جواب دیا اور دانت برش کرنے کے لیے واش روم کی جانب بڑھ گیا۔

☆☆☆☆

دو پہر کو میری آنکھ کھل گئی تھی اور مجھ سے قبل پتا جاگ چکی تھی۔ نہ صرف وہ بیدار ہو چکی تھی بلکہ وہ ناشتے وغیرہ سے نمٹ کر ایک دم تر تازہ بھی ہو گئی تھی۔ دس پندرہ منٹ میں، میں بھی فریش ہو کر اس کے پاس آ گیا اور اس سے پوچھا۔

”کیا تمہاری نیند پوری ہو گئی؟“

”یہ سوال تو مجھے پوچھنا چاہیے۔“ اس نے شرارت بھری نظر سے مجھے گھور کر دیکھا۔ ”مجھے بیڈروم میں سلا کر پوری رات خوش چپوں میں گزار دی۔“

”مجھے نیند نہیں آ رہی تھی اس لیے تمہیں بیڈروم میں سوتا چھوڑ کر میں باہر نکل گیا تھا۔“ میں نے وضاحت کرتے ہوئے کہا۔ ”نادیہ تمہاری دوست ہے اور یہ بات تم بھی جانتی ہو کہ وہ محبت میں چوٹ کھا کر اندر باہر سے ٹوٹ چکی ہے۔ اگر میں نے تھوڑی دیر اس کی دلجوئی کر دی تو کوئی سی قیامت برپا ہو گئی ہے؟“

”صرف دلجوئی کی ہے یا اس دکھپاری کے آنسو بھی پونچھے ہیں؟“ وہ کریدنے والے انداز میں مستنفر ہوئی۔

میں سمجھ گیا کہ وہ میرے نزدیک کسی دوسری عورت کو برداشت نہیں کر پاتی تھی۔ چاہے وہ کوئی جیتی جاگتی میرے قریب موجود نادیہ ہو یا غائبانہ طور پر زیر بحث گھبراہٹ کی ذات ہو۔ یہ اس کی محبت کا اپنا ایک انداز تھا کہ وہ مجھے دوسری عورتوں کے سامنے سے بھی بچا کر اپنے لیے مخصوص رکھنا چاہتی تھی۔ میں نے اسے تپانے کی غرض سے کہا۔

”صرف دلجوئی اور ایک شوٹی ہی نہیں کی بلکہ اس سے دو ہاتھ آگے بڑھ کر نادیہ کو گلے بھی لگایا ہے اور۔۔۔۔۔ اور۔۔۔۔۔ خیر چھوڑو۔۔۔۔۔“

میں نے جملہ ادھورا چھوڑا تو وہ تڑپ کر بولی۔

جہانگیر بکس

450/-	انسان اور پوتا	475/-	معظم علی	550/-	آخری معرکہ	550/-	آخری ٹکڑی
300/-	پاکستان سے دیوار تک	550/-	خاک اور خون	500/-	گمشدہ قافلے	300/-	ثقافت کی تلاش
450/-	آخری چٹان	450/-	کلیسا اور آگ	300/-	داستان مجاہد	450/-	پروسی و رشت
225/-	سوسل بکد	599/-	قافلہ حجاز	425/-	چندین قاسم	300/-	پورس کے ہاتھی
325/-	سفید جزیرہ	475/-	شاہین	500/-	یوسف بن تاشفین		

سبق آموز کتب سلسلہ



165/-	اقول حضرت علی الرضی	165/-	اقول آنحضرت	195/-	حکایات گلستان سعدی	140/-	اقول شہدائی
150/-	دلچسپ و حیرت انگیز باتیں	180/-	حکایات روئی	170/-	دلچسپ و عجیب حقائق	199/-	حکایات بوستان سعدی
180/-	ایمان افروز و سبق آموز سچے واقعات						
165/-	بڑے لوگوں کے روشن واقعات						



اردولفت

(جامعے تہذیب)

مختصر و مفید کتب کے مجموعہ کے ساتھ ساتھ اردولفت کی شہرت

جہانگیر بک ڈپو

042-35757086 022-2780128
021-32765086 051-5539609 042-37220879

اس کے کوارٹر میں کوئی شکایت نہیں ہوگی۔
”بس تو پھر ٹھیک ہے۔“ میں نے اطمینان بھری
سانس خارج کرتے ہوئے کہا اور پوچھا: ”تمہارا یہ دوست
غلام عباس کتنا کیا ہے؟“
”سرا! پیشے کے لحاظ سے وہ مشین مین ہے۔“ اس نے
جواب دیا۔ ”ایک پرنٹنگ پریس میں کام کرتا ہے۔ اگر
آپ نہیں تو میں اس کا موٹر سائیکل سوار ہوتا ہوں۔“
”ابھی نہیں۔“ میں نے کہا: ”جب ضرورت ہوگی تو
میں تمہیں بتا دوں گا۔“

”اوکے سرا!“ وہ فرما کر برداری سے بولا۔
جسید سے سلو و ریلوے ریلوے ختم ہوا تو عظیم کا فیکٹ میسج
آ گیا۔
”برو اساج نے چید خان کے ساتھ چھوڑ دی میٹنگ
خمس کر دی ہے۔ تمہیں ٹھیک تین بجے سہ پہر خان ہاؤس
پہنچنا ہے۔“
میں نے فوراً عظیم کو فون کیا۔ وہی ٹھیک ٹھیک کے بعد
اس نے پوچھا: ”بتاؤ، میں تمہیں کہاں سے پک کروں؟“
”تمہیں میری طرف آنے کی ضرورت نہیں ہے
عظیم۔“ میں نے ٹھہرے ہوئے لہجے میں کہا۔ ”تم مجھے محل
سوسائٹی کا کوئی پوائنٹ بتا دو۔ میں تین بجے سے دس منٹ
پہلے وہاں پہنچ جاؤں گا۔“

”اوکے برو!“ اس نے ایک لمحہ سوچنے کے بعد کہا۔
”ایم اے سوسائٹی میں ڈرل، فرانس ایڈ سوئس کی ایک
بہت بڑی دکان ہے۔ تم وہاں آ جاؤ۔“
”اوکے براڈر۔“ میں نے فیصلہ کن لہجے میں کہا۔
”باقی باتیں وہیں سمجھ کر ہوں گی۔“
”ڈن!.....!“ وہ حتی انداز میں بولا۔

دینا کافی دیر سے میرے فارغ ہونے کا انتظار کر رہی
تھی۔ یہ تمام تر حالات اس کے علم میں تھے۔ میں نے اس
سے کچھ بھی نہیں چھپایا تھا کیونکہ اب وہ میری ٹیم کا ایک اہم
رکن تھی۔ میں نے سب فون رکھا تو اس نے پوچھا۔
”تم نے جسید سے بات کرتے ہوئے سامنے والے
ٹکٹے کا ذکر کیا تھا۔ یہ کیا چکر ہے؟“

اس حوالے سے حشری میں جسید سے جب میری بات
ہوئی تھی اس وقت دینا اپنے بیڈروم میں سو رہی تھی۔ میں نے
اس سلسلے میں اسے اپ ڈیٹ کرتے ہوئے کہا۔
”ڈیٹینا کو یقین ہے کہ میں ابھی کراچی میں ہی موجود
ہوں اسی لیے اس نے یہ اہتمام کیا ہے۔ اسے تو ی امید ہے

شوٹ کرنے کی چکرز اجازت نہیں دے سکتی اور جہاں تک
تمہارے سوال کا تعلق ہے تو.....“ میں نے لمبائی توقف کیا
پھر دونوں انداز میں کہا۔
”گرڈ مارا بتانے والے نادر شاہ کے ساتھ آئیں تو تم
ان کی راہ میں رکاوٹ نہیں بنو گے۔ نادر شاہ کو تم نے بھی
جس اس دلا نا ہے کہ تم شخص ایک سیکورٹی گارڈ ہو اور اس
ڈیوٹی کے ساتھ تم اس کا کھاتے اور مانتے ہو۔“
”میں کچھ کیسا زور دھمیرے ہوئے لہجے میں بولا۔
میں نے پوچھا۔ ”کیا تمہیں کال ریکارڈ کو ڈیلیٹ کرنا
آتا ہے؟“

”جی سرا! میں یہ کام کر سکتا ہوں۔“ اس نے بتایا۔
”بس، میسج ڈیفریٹ ٹاپ کرنے میں مجھے ابھن ہوتی ہے اسی
لیے میں نے کہا تھا کہ مجھے میسج کٹر نہیں آتا۔“
”ٹھیک ہے۔ تم جب بھی مجھے مس کال کرو اور
جواب میں، میں تمہیں جو کال کروں تو اس کا ریکارڈ فوراً
ڈیلیٹ کر دیا کرو۔ تم میری بات سمجھ رہے ہو نا؟“
”جی سرا! آپ بے فکر رہیں۔ میں ایسا ہی کر رہا
ہوں۔“ اس نے بڑے فخر سے بتایا۔

میں نے پوچھا۔ ”اور وہ سامنے والے ٹکٹے کا کیا حال ہے؟“
”وہاں امن وامان ہے۔“ اس نے بتایا۔ ”بس
رات ہی کو مجھے اس ٹکٹے کی حیرت پر کچھ سرگرمی دکھائی دی تھی
تو میں نے آپ کو اطلاع دے دی تھی۔“
”مہنی آنکھیں اور کان کھلے رکھو۔“ میں نے تاکید
لہجے میں کہا۔ ”ہمارا واسطہ انتہائی چالاک، مکار اور عیار
لوگوں سے ہے۔“

”جی سرا! میں نے یہ بات اچھی طرح سمجھ لی ہے۔“
”اور غلام عباس سے تمہارا کوئی رابطہ ہوا؟“ میں نے پوچھا۔
اس نے اثبات میں جواب دیا۔ ”میں نے اس سے
بات کر لی ہے اور اسے ساری چوٹیں بھی بھجوا دی ہے۔ آپ
جب اشارہ کریں گے، میں اسے ہوشیار کر دوں گا۔ آپ
اپنی مرضی سے جتنے دن چاہیں، اس کے پاس قیام کر سکتے
ہیں۔ وہاں پر انشا اللہ آپ کو کسی قسم کی کوئی تکلیف نہیں
ہوگی۔“

”جسید! میں تکلیف سے نہیں گھبراتا۔“ میں نے
ٹھوس لہجے میں کہا۔ ”بس، وہ ٹھیک محفوظ اور بندہ قابل بھروسہ
ہونا چاہیے۔“
”آپ کو پریشان ہونے کی ضرورت نہیں سرا!“ وہ
بڑے اعتماد سے بولا۔ ”غلام عباس ایسا ہی بندہ ہے۔ آپ کو

وقت

وہ ایک دروازہ قامت، منظم اور اساتذہ فاضل تھا۔ اس کے چہرے پر ایک خاص قسم کی سرخی پائی جاتی تھی جس نے اس کی شخصیت کو خاصا دلکش بنا دیا تھا۔ اس نے مناسب سائز کی بارہب سوچیں بھی رکھ چھوڑی تھیں جو اس کے چہرے پر بڑی بخلی لگتی تھیں۔ ہماری ملاقات اس کے آفس کے لیے مخصوص ایک کمرے میں ہوئی تھی جس میں ایک سو فکرم بیلہ کے علاوہ وزیر نے کئی آرام دہ کرسیاں لگی ہوئی تھیں۔ قصہ مختصر، وہ ایک شاندار آفس تھا۔

وہی علیک سلیک کے بعد جب عظیم کی ہدایت کے مطابق ساجد اجازت لے کر وہاں سے رخصت ہو گیا تو میں نے اپنا تعارف کراتے ہوئے کہا۔

”خان صاحب! میرا نام یاسر بیگ ہے اور میں امریکا کی ریاست ٹیکساس کے شہر لیک جیکسن میں رہتا ہوں۔ ایک عزیز کی شادی کی تقریب میں شرکت کے لیے میں اسلام آباد آیا ہوا تھا تو آپ نے ایک تفریحی دوست عظیم سے ملنے کراچی چلا آیا۔ ہمارے درمیان شو بزنس کے موضوع پر بات چیت کا سلسلہ جاری تھا کہ میری دلچسپی کو دیکھتے ہوئے عظیم نے کہا کہ میں تمہیں ایک تجربہ کار پروڈیوسر سے ملواتا ہوں۔ ساجد عظیم کا دوست ہے۔ اس طرح میں عظیم سے ساجد اور ساجد سے آپ کے پاس پہنچ گیا۔“

”آپ ادھر امریکا میں کیا کرتے ہیں؟“ جنید خان نے مجھ سے پوچھا۔

”اپنا بزنس ہے۔“ میں نے اعتماد بھرے لہجے میں جواب دیا۔ ”میں ہول لائن میں ہوں۔ ایک جیکسن میں میرا ایک چھوٹا سا ریٹورنٹ ہے۔“

”ویری گڈ! وہ سٹائیٹ نظر سے مجھے دیکھتے ہوئے بولا۔ ”لیکن میں یہ جانتا چاہتا ہوں کہ آپ کو شو بزنس میں سرمایہ کاری کا خیال کیوں آیا اور وہ بھی پاکستان میں۔ یہ کام آپ ادھر امریکا میں زیادہ بہتر انداز میں کر سکتے ہیں۔“

جنید خان نے بڑا اہمکتہ اٹھایا تھا کہ میں نے بھی اس کا سامنا کرنے کے لیے اچھا خاصا ذاتی ہوم ورک کر رکھا تھا۔ میں نے ذریعہ سبب سمجھاتے ہوئے جواب دیا۔

”خان صاحب! اچلی بات تو یہ کہ شو بزنس کا شوق میرا نہیں بلکہ دراصل یہ میرے والد مرحوم نواز بیگ کا خواب تھا۔ انہیں اس کام کا جنون کی حد تک شوق تھا۔ ان کے دل میں قلم بنانے کی شدید خواہش تھی لیکن سرمائے کی عدم دستیابی کے باعث وہ اپنا دل مسوس کر رہے تھے۔ انہوں نے کراچی کے والد صاحب یہ قندال میں لے کر اس دنیا

تعلق رکھنے والا کوئی بھی شخص حتیٰ کہ خود سرکار بھی مجھے تحفظ فراہم کرنے کے بارے میں نہیں سوچ سکتی تھی۔ جن بین الاقوامی شخصیات افراد کا ذکر کیا ہے وہ تمہاری سوچ سے کہیں زیادہ طاقتور اور بااثر ہیں۔ ان کی باتوں کو بڑی بڑی حکومتیں بھی رد نہیں کر سکتی ہیں۔ وہ جو مانگ لیتے ہیں، دینا پڑتا ہے۔“

”تم نے ایسا کون سا چاند چڑھایا ہے جو وہ جنہیں مانگ لیں گے؟“

”میں نے چاند، ستارے، سورج۔۔۔ سب کچھ ہی چڑھا دیا ہے۔“ میں نے سرسراہٹے ہوئے لہجے میں کہا۔

”اس لیے میری مانگ بہت زیادہ بڑھ گئی ہے۔ تم سے بھی میری بچی درخواست ہے کہ کچھ دنوں کے لیے مجھ سے دور رہو۔ میں تمہیں کسی مصیبت میں نہیں ڈالنا چاہتا۔ اگر بہت ضروری ہو تو میں خود تم سے رابطہ کروں گا۔ امید ہے، تم میرے اس مشورے پر ضرور عمل کرو گے۔“

”اوکے برو!“ وہ میرے سامنے ہر ڈالنے ہوئے گہری سنجیدگی سے بولا۔ ”تم اپنے معاملات کو مجھ سے زیادہ بہتر جانتے ہو۔ تم نے موجودہ حالات کی گتھن کا جو نقشہ کھینچا ہے اس میں تمہارا مشورہ درست نظر آتا ہے لیکن میں ہاتھ پر ہاتھ رکھے بیٹھا خاموشی سے یہ قماشادیکھتا رہوں، اس سے بڑی بزدلی اور کیا ہوگی۔“

”یہ بزدلی نہیں، دانش مندی ہے میرے دوست۔“ میں نے اس کا کاندھا جھپٹاتے ہوئے کہا۔ ”میدان جنگ کو دیکھتے ہوئے حکمت عملی تیار کی جاتی ہے۔ دشمن پر فتح حاصل کرنے کے لیے کبھی دو قدم پیچھے ہٹنا پڑتا ہے اور کبھی دو قدم آگے بڑھنا پڑتا ہے۔ یہ سمجھو کہ تم بھی چند روز کے لیے بیگنٹ پر چلے گئے ہو۔ کیا تجھے؟“

”مجھ کیا برو!“ وہ ساجد کے ہنسنے کے سامنے گاڑی روکتے ہوئے بولا پھر پوچھا۔ ”خان ہاؤس میں تو میں تمہارے ساتھ جا رہا ہوں نا؟“

”نہیں! میں نے دو ٹوک انداز میں کہا۔ ”تم اپنے دوست ساجد محمود کو جاہل لاؤ۔ میں اس کے ساتھ داک کرتے ہوئے خان ہاؤس کی طرف جاؤں گا اور جنید خان سے ملوانے کے بعد ساجد بھی وہاں سے اٹھ جائے گا۔ میں جنید خان سے دن نو دن ملاقات کرنا چاہتا ہوں۔“

میرے قلمی انداز کو دیکھ کر عظیم خاموش ہو گیا۔

☆☆☆

جنید خان کی عمر پینتالیس اور پچاس کے درمیان تھی۔

”تازہ ترین حالات کس طرف جارہے ہیں؟“ اس نے پوچھا۔

میں نے نہایت ہی مختصر الفاظ میں اس کے سامنے صورت حال کو بیان کرتے ہوئے کہا۔ ”مجھ بہت حد تک حالات کی گتھن میں اضافہ ہو رہا ہے۔“

”تم بالکل ٹھیک کہہ رہے ہو۔“ وہ تشریف بھرے انداز میں بولا۔ ”اگر تم بہتوں میں ارباب سے بات کرتا ہوں۔“

ارباب، عظیم کا پھوپھی زاد چچا اور عظمہ پولیس میں۔۔۔ انکسٹر کے عہدے پر فائز تھا۔ میں عظیم کی بات کو سمجھ تو گیا تھا تاہم قصہ کی خاطر میں نے اس سے پوچھ لیا۔

”تم کس سلسلے میں ارباب سے بات کرنا چاہتے ہو؟“

”پارامیرا اشارہ تمہاری طرف ہے۔“ وہ وضاحت کرتے ہوئے بولا۔ ”تم اس وقت خطرناک قسم کے بین الاقوامی شخصیات افراد میں گھرے ہوئے ہو اور یہاں کی پولیس بھی تمہارے پیچھے لگی ہوئی ہے۔ ان حالات میں ارباب تمہاری مدد کر سکتا ہے۔ وہ پولیس والا ہے، کوئی نہ کوئی راستہ نکال ہی لے گا۔“

”یہ تمہاری غلط فہمی ہے۔“ میں نے ایک ایک لفظ پر زور دیتے ہوئے کہا۔ ”میری تم سے درخواست ہے کہ اس سلسلے میں تم ارباب سے کوئی بات نہیں کرو گے بلکہ اگر وہ تم سے میرے بارے میں کچھ پوچھے بھی تو تم کہہ دینا، میں تمہارے رابطے میں نہیں ہوں اور یہ کہ۔۔۔ تم میرے بارے میں کچھ بھی نہیں جانتے!۔“

”تم ایسا کیوں کر رہے ہو برو؟“ وہ الجھن زدہ لہجے میں متفہم ہوا۔ ”کیا تمہیں ارباب پر بھروسہ نہیں ہے؟“

”عظیم! بات بھروسے کی نہیں ہے۔“ میں نے گہری سنجیدگی سے کہا۔ ”میں تسلیم کرتا ہوں کہ پچھلے دنوں ارباب نے کئی مواقع پر میری مدد کی ہے لیکن اب یہ معاملہ بائی لیول پر پہنچ چکا ہے۔ ارباب میرے لیے کچھ نہیں کر سکتے گا بلکہ اس کے سچ میں رہنے سے وہ میرے لیے نقصان دہ ثابت ہو سکتا ہے۔“

”ایسا بھی نہیں ہوگا۔“ وہ جوش بھرے انداز میں بولا۔ ”تم ارباب کے حوالے سے بالکل غلط سوچ رہے ہو۔ وہ جنہیں نقصان پہنچانے کا قصور بھی نہیں کر سکتا۔“

”ارباب پر تمہارے اعتبار کو میں چیلنج نہیں کروں گا لیکن میری بات کو غور سے سنو۔۔۔“ میں نے بے حد سنجیدہ لہجے میں کہنا شروع کیا۔ ”میرے معاملات اس وقت گتھن کے جس درجے پر پہنچ چکے ہیں اس میں سرکاری گتھے سے

ہو تو میں تمہیں پہچان بھی نہ پاؤں۔۔۔“ میں نے بھی اسی کی طرح دو مہینی انداز اختیار کرتے ہوئے کہا۔

وہ ایک مرتبہ پھر کھل کھلا اٹھی۔ اس کے بعد نادیر نے گاڑی سے باہر نکل کر اپنا بیٹ بھرے انداز میں مجھے الوداع کہا اور وہاں سے رخصت ہو گئی۔

اگلے ہی لمحے عظیم کی گاڑی میرے برابر آ کر کچی بھر اس نے میرے لیے پینجر ڈیزٹ والا دروازہ کھول دیا۔ میں نے گاڑی کے اندر بیٹھتے ہوئے کہا۔

”وہاں اے ٹائٹلک!“

”برو! میں پندرہ منٹ پہلے ہی یہاں پہنچ گیا تھا۔“ وہ گاڑی کو آگے بڑھاتے ہوئے بولا۔ ”میں نے تمہیں اس لوٹریا کے ساتھ یہاں آتے اور باتیں کرتے دیکھ لیا تھا۔ میں انتظار کر رہا تھا کہ تم اسے فارغ کر دو تو میں تمہارے پاس آؤں مگر یہ کیا پکڑ ہے برو۔۔۔؟“

آخری جملہ اس نے بڑے عجیب انداز میں ادا کیا تھا۔ میں نے پوچھا۔ ”کون سا پکڑ میرے دوست؟“

”بھئی! پہلے تم جتنا کے ساتھ نظر آ رہے تھے اور اب اس چٹا نوکرل کے ہمراہ دکھائی دیے ہو۔“ وہ وضاحت کرتے ہوئے بولا۔ ”کیا اس سینے سے بھی تم نے یاری کا ٹھہ لیا ہے؟“

عظیم نے نادیر کے لیے ”چٹا ٹو“ کا لفظ اس کے گلاسز کی وجہ سے استعمال کیا تھا۔ میں نے اسے بتایا۔ ”یہ نادیر ہے۔“

”یہنا کی بیٹ فرینڈ۔ یہ مجھے یہاں ڈراپ کرنے آئی تھی۔“

”اور جتنا کہاں ہے؟“ اس نے پوچھا۔

”وہ گھر پر ہے۔“ میں نے جواب دیا۔

”اوہ۔۔۔“ وہ چمپرنے والے انداز میں بولا۔

”ایک گھر پر، دوسری باہر ساتھ ساتھ۔ یہ تو گھروالی، باہر والی! والا معاملہ ہو گیا۔“

”کیا بات ہے عظیم! آج خواتین کے حوالے سے تم کچھ زیادہ ہی دلچسپی لے رہے ہو۔“ میں نے اس کی طرف دیکھتے ہوئے مہینے خیز انداز میں کہا۔ ”کہیں تمہیں بھی گھروالی تو یا ڈنٹیں آ رہی؟“

”ارے یار! تم نے خوب یاد دلایا۔“ وہ چوہنگے ہوئے لہجے میں بولا۔ ”میری گھروالی امریکا سے واپس آ رہی ہے۔ ابھی رات ہی کو میری اس سے بات ہوئی ہے۔“

”مہارک ہو۔۔۔!“ میں نے بد آواز بلند کہا۔

”تمہاری زندگی میں بہار آنے والی ہے۔“

ضروری اہتمام!

معزز خواتین و حضرات!

PakDigestNovels.Com کو پسند کرنے کے لئے آپ

سب کا بہت بہت شکریہ! ہماری ویب سائٹ کا مقصد علم و ادب کی ترقی و ترویج ہے۔ جیسا کہ آپ سب لوگ جانتے ہیں کہ کتابیں پڑھنے کا شوق دن بدن کم سے کم تر ہوتا جا رہا ہے۔ اس امر کی کئی وجوہات ہیں لیکن سب سے بنیادی وجہ کتابوں کی بڑھتی ہوئی قیمتیں ہیں۔ ہمارا اولین مقصد عوام الناس کو اعلیٰ کتابیں اور وہ بھی مفت فراہم کرنا ہے۔ امید ہے آپ سب ہمارے اس عظیم مقصد کی تائید کرتے ہیں۔

کتابوں کی قیمتوں کی وجہ سے اگر آپ کو خریدنے کے بعد کتاب پسند نہیں آتی تو آپ کا اس سے مالی نقصان بھی ہو گا ہمارا مقصد یہی ہے کہ اگر آپ کو ہماری ویب سائٹ سے کوئی کتاب پسند آتی

ہے تو رائٹر کو اس کا حق ضرور دیں اور کتاب خرید کر اپنی لائبریری کی زینت بنائیں۔

ہم PakDigestNovels.Com آپ کو نیٹ کی وسیع دنیا سے ہر قسم کی کتابیں فراہم کرتے

ہیں۔ ہم بلا معاوضہ آپ کی اور علم و ادب کی یہ خدمت سرانجام دے رہے ہیں۔

اس کے جواب میں ہم آپ سے درج ذیل باتوں کی توقع کرتے ہیں۔

۱۔ برائے مہربانی PakDigestNovels.Com کا نام اچھی طرح ذہن نشین

کر لیں۔ تاکہ اگر کسی وجہ سے سائٹ گوگل میں نہ بھی ملے تو با آسانی ہماری سائٹ تک پہنچ سکیں۔

۲۔ اگر کوئی کتاب پسند آئے تو اسے Share ضرور کریں تاکہ اور دوست احباب بھی اس سے

مستفید ہو سکیں۔

میں ایک ماہ بھی رک سکتا ہوں۔“
”ہیں تو پھر میں آپ کو بیگ صاحب سے ملواتا ہوں اور بڑے بڑے پیراسٹار سے بھی۔“

”ناٹس آئیڈیا!“ میں نے توصیفی نظر سے جنید خان کی طرف دیکھا اور کہا۔ ”سننے بڑے بڑے لیگل سے ملاقات کرنا میرے لیے باعث افتخار ہوگا۔“

اسی لمحے میرے سیل فون پر جشید کی مس کال آئی۔ میں نے اسے نظر انداز کرتے ہوئے جنید خان سے پوچھا۔

”سوانہی سوڈا والے ڈراما سیریل پر کتنا خرچہ آجائے گا؟“

اس سے پہلے کہ وہ جواب دیتا، میرے سیل فون پر دوبارہ جشید کی مس کال موصول ہوئی۔ میں نے اس بار بھی اسے انور مار دیا۔

”اوسطاً ایک ایسی سوڈا پر پانچ لاکھ کا خرچہ ہے۔“ جنید خان نے بتایا۔ ”اس حساب سے سوانہی سوڈا کے اخراجات پانچ کروڑ روپے بنتے ہیں یعنی پانچ لاکھ امریکی ڈالر۔“

”اور اس انویسٹمنٹ پر پرافٹ مارجین کتنا ہوگا؟“ میں نے پوچھا۔

”دو کروڑ روپے۔“ جنید خان نے جواب دیا۔ ”یعنی پانچ کروڑ کی لاگت سے تیار ہونے والا سیریل سات کروڑ میں بہ آسانی فروخت ہو جائے گا۔ منافع کے دو کروڑ میں سے ایک کروڑ آپ کا اور ایک کروڑ میرا۔“

میں نے پوچھا۔ اس سیریل کو تیار ہونے میں کتنا وقت لگے گا؟“

جنید خان کے جواب سے قبل میرے سیل فون پر تیسری مرتبہ جشید کی مس کال نمودار ہوئی۔ اب کی بار میں نے اسے نظر انداز کرنا مناسب نہ سمجھا۔ میں نے فوراً اس کے نمبر پر فون کیا۔

اس نے ٹھکی ہوئی آواز میں اس نے اپنے منہ سے جو پہلا جملہ ادا کیا اسے سن کر میرے ہوش اڑ گئے۔
میں پیٹھے بٹھاے ایک بڑی پریشانی میں گھر گیا تھا۔

اسٹیموں حوصلوں اور آہوں کے بیچ رلائی۔ کبھی محبتوں اور چاہتوں کے مدھور گیت سنائی اس ناقابل فراموش داستان کے مزید واقعات اگلے ماہ ملاحظہ کریں

سے رخصت ہو گئے۔“ میں نے افسردگی کی اداس کاری کرتے ہوئے لہجائی توقف کیا پھر بھرائی ہوئی آواز میں اضافہ کیا۔

”والد صاحب کے انتقال کے بعد میں امریکا چلا گیا تھا۔ میں نے وہاں دن رات محنت کی اور اللہ نے مجھے اس محنت کا صلہ بھی دیا۔ آج میرے پاس مالک کا دیا سب کچھ ہے اور میں گرین کارڈ ہولڈر بھی ہوں۔ پیسے کی ریل ٹیکل ہے اس لیے میں اپنے مرحوم والد کی خواہش کو خراج تحسین پیش کرنے کے لیے ایک فلم بنانے کا ارادہ رکھتا ہوں۔ چنانچہ بھی پیسا خرچ ہو، میں ہاتھ نہیں روکوں گا۔ اب آپ بخوبی سمجھ گئے ہوں گے کہ یہ کام پاکستان میں زیادہ اچھے انداز میں ہو سکے گا۔“

”بالکل سمجھ گیا۔“ وہ اثبات میں گردن ہلاتے ہوئے بولا۔ ”آپ کی یہ خواہش تو کا حق، پوری ہو جائے گی کہ ہر دوسرے یا تیسرے سین میں بیگ صاحب دکھائی دیں لیکن اس سلسلے میں آپ کو ایک مفید مشورہ دینا چاہوں گا۔“

”کیسا مشورہ خان صاحب؟“ میں نے چونک کر جنید خان کی جانب دیکھا۔

”جہاں تک میرے مشورے کی بات ہے تو میں یہی کہوں گا کہ فلم بنانے کا خیال دل سے نکال دیں۔“
”کیوں؟“ میں نے چہرے پر حیرت کے تاثرات سجاتے ہوئے کہا۔

”وہ اس لیے کہ ابھی پاکستان میں فلم کا وہ اسکوپ نہیں رہا جو ماضی میں ہوا کرتا تھا۔“ اس نے سمجھانے والے انداز میں کہا۔ ”اس وقت اگر آپ کی پشت پر تین چار بڑے مارکیٹنگ کے ادارے کھڑے نہ ہوں تو اپنی لاگت کو پورا کرنا بھی مشکل ہے اور اس سلسلے میں سیلف پروڈکشن تو سراسر گھانے کا سودا ہے۔“

”تو پھر کیا کیا جائے؟“ میں نے الجھن بھری نظر سے اس کی طرف دیکھا۔

”میرا تو مشورہ یہی ہے کہ آپ ٹی وی کے لیے طویل سیریل بنانے کے بارے میں سوچیں۔“ وہ پھر سے ہونے لہجے میں بولا۔ ”ایک سوانہی سوڈا کا ایک حمل سیریل۔“

”آئیڈیا برا نہیں ہے۔“ میں نے سوچ میں ڈوبے ہوئے لہجے میں کہا۔

”آپ کا گراہی میں کتنے دن کا قیام ہے؟“
”کوئی آٹھ نہیں۔“ میں نے کہا۔ ”آپ کہیں کے تو